U85266. 10-12-09

Title - DEEWAN GHALIB (1319-H).

Creator - Murattiba Agha Mohd. Tahir.

Publisher - Azad Book Dipo (Delhi).

Date - 1936.

Pages - 72

Subjects - Ghalib - Dawaween; Dawaween - Ghalib.

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

سخن آفرین را حمد و ثنا کلام بلاغت انضمام فصاحت التیام مبرا از ہر شوب و معائب

دیوان غالب

۱۳۱۹ھ

باہتمام ابو الحسنات عبدہٗ قطب الدین احمد غفر اللہ الصمد بتاریخ پنجم ماہ مئی سنہ ۱۹۰۱ع

در مطبع نامی واقع کریہ لکھنؤ مطبوع

بسم اللہ الرحمن الرحیم

غزلیات

نقش فریادی ہے کس کی شوخی تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا

کاو کاو سخت جانیہائے تنہائی نہ پوچھ
صبح کرنا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا

جذبۂ بے اختیار شوق دیکھا چاہیے
سینۂ شمشیر سے باہر ہے دم شمشیر کا

آگہی دام شنیدن جس قدر چاہے بچھائے
مدعا عنقا ہے اپنے عالم تقریر کا

بسکہ ہوں غالب اسیری میں بھی آتش زیر پا
موئے آتش دیدہ ہے حلقہ مری زنجیر کا

تھا زندگی میں مرگ کا کھٹکا لگا ہوا
اڑنے سے پیشتر بھی مرا رنگ زرد تھا

تالیفِ نسخہ ہائے وفا کر رہا تھا میں
مجموعۂ خیال ابھی فرد فرد تھا

دل تا جگر کہ ساحلِ دریائے خوں ہے اب
اس رہگزر میں جلوۂ گل آگے گرد تھا

جاتی ہے کوئی کشمکش اندوہِ عشق کی
دل بھی اگر گیا تو وہی دل کا درد تھا

احباب چارہ سازیِ وحشت نہ کر سکے
زنداں میں بھی خیال بیاباں نورد تھا

یہ لاشِ بے کفن اسدِ خستہ جاں کی ہے
حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

دل میں ذوقِ وصل و یادِ یار تک باقی نہیں
آگ اس گھر میں لگی ایسی کہ جو تھا جل گیا

میں عدم سے بھی پرے ہوں ورنہ غافل بارہا
میری آہِ آتشیں سے بالِ عنقا جل گیا

عرض کیجے جوہرِ اندیشہ کی گرمی کہاں
کچھ خیال آیا تھا وحشت کا کہ صحرا جل گیا

دل نہیں تجھکو دکھاتا ورنہ داغوں کی بہار
اس چراغاں کا کروں کیا کارفرما جل گیا

میں ہوں اور افسردگی کی آرزو غالب کہ دل
دیکھ کر طرزِ تپاکِ اہلِ دنیا جل گیا

شوق ہر رنگ رقیبِ سر و ساماں نکلا
قیس تصویر کے پردے میں بھی عریاں نکلا

زخم نے داد نہ دی تنگیِ دل کی یارب
تیر بھی سینۂ بسمل سے پرافشاں نکلا

بوئے گل نالۂ دل دودِ چراغِ محفل
جو تری بزم سے نکلا سو پریشاں نکلا

دلِ حسرت زدہ تھا مائدۂ لذتِ درد
کام یاروں کا بقدرِ لب و دنداں نکلا

ہے نو آموزِ فنا ہمتِ دشوار پسند
سخت مشکل ہے کہ یہ کام بھی آساں نکلا

دل میں پھر گریے نے اک شور اٹھایا غالب
آہ جو قطرہ نہ نکلا تھا سو طوفاں نکلا

دھمکی میں مر گیا جو نہ بابِ نبرد تھا
عشقِ نبرد پیشہ طلبگارِ مرد تھا

شمارِ سبحہ مرغوبِ بتِ مشکل پسند آیا
تماشائے بیک کف بردنِ صد دل پسند آیا

بفیضِ بیدلی نومیدیِ جاوید آساں ہے
کشائش کو ہمارا عقدۂ مشکل پسند آیا

ہوائے سیرِ گل آئینۂ بے مہریِ قاتل
کہ اندازِ بخوں غلطیدنِ بسمل پسند آیا

جراحت تحفہ الماس ارمغاں داغِ جگر ہدیہ
مبارکباد اسد غمخوارِ جانِ دردمند آیا

دہر میں نقشِ وفا وجہِ تسلی نہ ہوا
ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندۂ معنی نہ ہوا

سبزۂ خط سے ترا کاکلِ سرکش نہ دبا
یہ زمرد بھی حریفِ دمِ افعی نہ ہوا

میں نے چاہا تھا کہ اندوہِ وفا سے چھوٹوں
وہ ستمگر مرے مرنے پہ بھی راضی نہ ہوا

دل گزرگاہِ خیالِ مے و ساغر ہی سہی
گر نفس جادۂ سر منزلِ تقویٰ نہ ہوا

نہ ہوگا یک بیابان ماندگی سے ذوق کم میرا
حباب موجۂ رفتار ہے نقش قدم میرا

محبت تھی چمن سے لیکن اب یہ بیدماغی ہے
کہ موج بوے گل سے ناک مین آتا ہے دم میرا

نہین معلوم کس کس کا لہو پانی ہوا ہوگا

نظر مین ہے ہماری جادۂ راہ فنا غالب

ہون ترے وعدہ نہ کرنے مین بھی راضی کہ کبھی
گوش منت کش گلبانگ تسلی نہوا

کس سے محرومی قسمت کی شکایت کیجے
ہمنے چاہا تھا کہ مرجائین سو وہ بھی نہوا

مر گیا صدمۂ یک جنبش لب سے غالب
ناتوانی سے حریف دم عیسیٰ نہوا

ستائشگر ہے زاہد اسقدر جس باغ رضوان کا
وہ اک گلدستہ ہے ہم بیخودون کے طاق نسیان کا

بیان کیا کیجے بیداد کاوشہاے مژگان کا
کہ ہر یک قطرۂ خون دانہ ہے تسبیح مرجان کا

نہ آئی سطوت قاتل بھی مانع میرے نالون کو
لیا دانتون مین جو تنکا ہوا ریشہ نیستان کا

دکھاؤن گا تماشا دی اگر فرصت زمانہ نے
مرا ہر داغ دل اک تخم ہے سرو چراغان کا

کیا آئینہ خانیکا وہ نقشہ تیرے جلوہ نے
کرے جو پرتو خورشید عالم شبنمستان کا

مری تعمیر مین مضمر ہے اک صورت خرابی کی
ہیولی برق خرمن کا ہے خون گرم دہقان کا

اوگا ہے گھر مین ہر سو سبزہ ویرانی تماشا کر
مدار اب کہودنے پر گھاس کے ہے میرے دربان کا

خموشی مین نہان خون گشتہ لاکھون آرزوئین ہین
چراغ مردہ ہون مین بیزبان گور غریبان کا

ہنوز اک پرتو نقش خیال یار باقی ہے
دل افسردہ گویا حجرہ ہے یوسف کے زندان کا

بغل مین غیر کے آج آپ سوتے ہین کہین ورنہ
سبب کیا خواب مین آکر تبسمہاے پنہان کا

بقدر ظرف ہے ساقی خمار تشنہ کامی بھی
جو تو دریاے مے ہے تو مین خمیازہ ہون ساحل کا

محرم نہین ہے تو ہی نواہاے راز کا
یان ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا

شب ہوئی پھر انجم رخشندہ کا منظر کھلا
اس تکلف سے کہ گویا بتکدے کا در کھلا

گرچہ ہوں دیوانہ پر کیوں دوست کا کھاؤں فریب
آستیں میں دشنہ پنہاں ہاتھ میں نشتر کھلا

گو نہ سمجھوں اسکی باتیں گو نہ پاؤں اسکا بھید
پر یہ کیا کم ہے کہ مجھ سے وہ پری پیکر کھلا

ہے خیال حسن میں حسن عمل کا سا خیال
خلد کا اک در ہے میری گور کے اندر کھلا

منھ نہ کھلنے پر ہے وہ عالم کہ دیکھا ہی نہیں
زلف سے بڑھکر نقاب اس شوخ کے منھ پر کھلا

در پہ رہنے کو کہا اور کہہ کے کیسا پھر گیا
جتنے عرصہ میں مرا لپٹا ہوا بستر کھلا

کیوں اندھیری ہے شب غم ہے بلاؤں کا نزول
آج ادھر ہی کو رہیگا دیدۂ اختر کھلا

کیا رہوں غربت میں خوش جب ہو حوادث کا یہ حال
نامہ لاتا ہے وطن سے نامہ بر اکثر کھلا

اوسکی امت میں ہوں میں میرے رہیں کیوں کام بند
واسطے جس شہ کے غالب گنبد بے در کھلا

شب کہ برق سوز دل سے زہرۂ ابر آب تھا
شعلۂ جوالہ ہر یک حلقۂ گرداب تھا

واں کرم کو عذر بارش تھا عنان گیر خرام
گریہ سے یاں پنبۂ بالش کف سیلاب تھا

واں خود آرائی کو تھا موتی پرونے کا خیال
یاں ہجوم اشک میں تار نگہ نایاب تھا

جلوۂ گل نے کیا تھا واں چراغاں آبجو
یاں رواں مژگان چشم تر سے خون ناب تھا

یاں سر پرشور بیخوابی سے تھا دیوار جو
واں وہ فرق ناز محو بالش کمخواب تھا

یاں نفس کرتا تھا روشن شمع بزم بیخودی
جلوۂ گل واں بساط صحبت احباب تھا

فرش سے تا عرش واں طوفاں تھا موج رنگ کا
یاں زمیں سے آسماں تک سوختن کا باب تھا

ناگہاں اس رنگ سے خونابہ ٹپکانے لگا
دل کہ ذوق کاوش ناخن سے لذت یاب تھا

نالۂ دل میں شب انداز اثر نایاب تھا
تھا سپند بزم وصل غیر گو بیتاب تھا

مقدم سیلاب سے دل کیا نشاط آہنگ ہے
خانۂ عاشق مگر ساز صدائے آب تھا

نازش ایام خاکستر نشینی کیا کہوں
پہلوئے اندیشہ وقف بستر سنجاب تھا

کچھ نہ کی اپنے جنون نارسا نے ورنہ یاں
ذرہ ذرہ روکش خورشید عالمتاب تھا

آج کیوں پروا نہیں اپنے اسیروں کی تجھے
کل تلک تیرا بھی دل مہر و وفا کا باب تھا

یاد کر وہ دن کہ ہر یک حلقہ تیرے دام کا
انتظار صید میں اک دیدۂ بیخواب تھا

میں نے روکا رات غالب کو وگرنہ دیکھتے
اوسکے سیل گریہ میں گردوں کف سیلاب تھا

ایک ایک قطرے کا مجھے دینا پڑا حساب
خون جگر ودیعت مژگان یار تھا

اب میں ہوں اور ماتم یک شہر آرزو
توڑا جو تو نے آئنہ تمثال دار تھا

گلیوں میں میری نعش کو کھینچے پھرو کہ میں
جاں دادۂ ہوائے سر رہگذار تھا

یک قدم وحشت سے درس دفتر امکاں کھلا
جادہ اجزائے دو عالم دشت کا شیرازہ تھا

مانع وحشت خرامی ہائے لیلیٰ کون ہے
خانۂ مجنون صحرا گرد بے دروازہ تھا

پوچھ مت رسوائی انداز استغنائے حسن
دست مرہون حنا رخسار رہن غازہ تھا

نالۂ دل نے دیئے اوراق لخت دل بباد
یادگار نالہ اک دیوان بے شیرازہ تھا

موج سراب دشت وفا کا نہ پوچھ حال
ہر ذرہ مثل جوہر تیغ آبدار تھا

کم جانتے تھے ہم بھی غم عشق کو پر اب
دیکھا تو کم ہوئے پہ غم روزگار تھا

بسکہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا
آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

گریہ چاہے ہے خرابی مرے کاشانے کی
در و دیوار سے ٹپکے ہے بیاباں ہونا

وائے دیوانگی شوق کہ ہر دم مجھکو
آپ جانا اودھر اور آپ ہی حیراں ہونا

جلوہ از بسکہ تقاضائے نگہ کرتا ہے
جوہر آئینہ بھی چاہے ہے مژگاں ہونا

عشرت قتل گہ اہل تمنا مت پوچھ
عید نظارہ ہے شمشیر کا عریاں ہونا

لے گئے خاک میں ہم داغ تمنائے نشاط
تو ہو اور آپ بصد رنگ گلستاں ہونا

عشرت پارہ دل زخم تمنا کھانا
لذت ریش جگر غرق نمکداں ہونا

کی مرے قتل کے بعد اوسنے جفا سے توبہ
ہائے اوس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

حیف اوس چار گرہ کپڑے کی قسمت غالب
جسکی قسمت میں ہو عاشق کا گریباں ہونا

شب خمار شوق ساقی رستخیز اندازہ تھا
تا محیط بادہ صورت خانہ خمیازہ تھا

دوست غمخواری میں میری سعی فرماوینگے کیا
زخم کے بھرنے تلک ناخن نہ بڑھ جاوینگے کیا

بے نیازی حد سے گذری بندہ پرور کبتلک
ہم کہینگے حال دل اور آپ فرماوینگے کیا

حضرت ناصح گر آویں دیدہ و دل فرش راہ
کوئی مجھکو یہ تو سمجھا دو کہ سمجھاوینگے کیا

آج واں تیغ و کفن باندھے ہوئے جاتا ہوں میں
عذر میرے قتل کرنے میں وہ اب لاوینگے کیا

گر کیا ناصح نے ہمکو قید اچھا یوں سہی
یہ جنون عشق کے انداز چھٹ جاوینگے کیا

خانہ زاد زلف ہیں زنجیر سے بھاگینگے کیوں
ہیں گرفتار وفا زنداں سے گھبراوینگے کیا

ہے اب اس معمورے میں قحط غم الفت اسد
ہمنے یہ مانا کہ دلی میں رہیں کھاوینگے کیا

[illegible]

کوئی میرے دل سے پوچھے ترے تیرِ نیم کش کو	یہ خلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا
یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست ناصح	کوئی چارہ ساز ہوتا کوئی غمگسار ہوتا
رگِ سنگ سے ٹپکتا وہ لہو کہ پھر نہ تھمتا	جسے غم سمجھ رہے ہو یہ اگر شرار ہوتا
غم اگرچہ جاں گسل ہے پہ کہاں بچیں کہ دل ہے	غمِ عشق گر نہ ہوتا غمِ روزگار ہوتا
کہوں کس سے میں کہ کیا ہے شبِ غم بری بلا ہے	مجھے کیا برا تھا مرنا اگر ایک بار ہوتا
ہوئے مر کے ہم جو رسوا ہوئے کیوں نہ غرقِ دریا	نہ کبھی جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا
اسے کون دیکھ سکتا کہ یگانہ ہے وہ یکتا	جو دوئی کی بو بھی ہوتی تو کہیں دوچار ہوتا

یہ مسائلِ تصوف یہ ترا بیان غالب
تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

ہوس کو ہے نشاطِ کار کیا کیا	نہ ہو مرنا تو جینے کا مزا کیا
تجاہل پیشگی سے مدعا کیا	کہاں تک اے سراپا ناز کیا کیا
نوازش ہائے بے جا دیکھتا ہوں	شکایت ہائے رنگیں کا گلا کیا
نگاہِ بے محابا چاہتا ہوں	تغافل ہائے تمکیں آزما کیا
فروغِ شعلۂ خس یک نفس ہے	ہوس کو پاسِ ناموسِ وفا کیا

بلائے جاں ہے غالب اس کی ہر بات
عبارت کیا اشارت کیا ادا کیا

درخورِ قہر و غضب جب کوئی ہم سا نہ ہوا
پھر غلط کیا ہے کہ ہم سا کوئی پیدا نہ ہوا
بندگی میں بھی وہ آزادہ و خودبیں ہیں کہ ہم
الٹے پھر آئے درِ کعبہ اگر وا نہ ہوا
سب کو مقبول ہے دعویٰ تری یکتائی کا
روبرو کوئی بتِ آئنہ سیما نہ ہوا
کم نہیں نازشِ ہمنامیٔ چشمِ خوباں
تیرا بیمار برا کیا ہے گر اچھا نہ ہوا
سینے کا داغ ہے وہ نالہ کہ لب تک نہ گیا
خاک کا رزق ہے وہ قطرہ کہ دریا نہ ہوا
نام کا میرے ہے جو دکھ کہ کسی کو نہ ملا
کام میں میرے ہے جو فتنہ کہ برپا نہ ہوا

ہر بنِ مو سے دمِ ذکر نہ ٹپکے خونناب
حمزہ کا قصہ ہوا عشق کا چرچا نہ ہوا

قطرہ میں دجلہ دکھائی نہ دے اور جزو میں کل
کھیل لڑکوں کا ہوا دیدۂ بینا نہ ہوا

تھی خبر گرم کہ غالب کے اڑیں گے پرزے
دیکھنے ہم بھی گئے تھے پہ تماشا نہ ہوا

اسد ہم وہ جنوں جولاں گدائے بے سر و پا ہیں
کہ ہے سر پنجۂ مژگانِ آہو پشت خار اپنا

پئے نذرِ کرم تحفہ ہے شرمِ نارسائی کا
بخوں غلطیدۂ صد رنگ دعویٰ پارسائی کا

نہ ہو حسنِ تماشا دوست رسوا بیوفائی کا
بمہرِ صد نظر ثابت ہے دعویٰ پارسائی کا

زکاتِ حسن دے اے جلوۂ بینش کہ مہر آسا
چراغِ خانۂ درویش ہو کاسہ گدائی کا

نہ مارا جان کر بے جرم غافل تیری گردن پر
رہا مانندِ خونِ بے گنہ حق آشنائی کا

تمنائے زباں محوِ سپاسِ بے زبانی ہے
مٹا جس سے تقاضا شکوۂ بے دست و پائی کا

وہی اک بات ہے جو یاں نفس واں نکہتِ گل ہے
چمن کا جلوہ باعث ہے مری رنگیں نوائی کا

دہانِ ہر بتِ پیغارہ جو زنجیرِ رسوائی
عدم تک بے وفا چرچا ہے تیری بیوفائی کا

نہ دے نامے کو اتنا طول غالب مختصر لکھدے
کہ حسرت سنج ہوں عرضِ ستم ہائے جدائی کا

گر نہ اندوہِ شبِ فرقت بیاں ہو جائے گا
بے تکلف داغِ مہ مہرِ دہاں ہو جائے گا

زہرہ گر ایسا ہی شامِ ہجر میں ہوتا ہے آب
پرتوِ مہتاب سیلِ خانماں ہو جائے گا

لے تو لوں سوتے میں اس کے پانو کا بوسہ مگر
ایسی باتوں سے وہ کافر بدگماں ہو جائے گا

دل کو ہم صرفِ وفا سمجھے تھے کیا معلوم تھا
یعنی یہ پہلے ہی نذرِ امتحاں ہو جائے گا

سب کے دل میں ہے جگہ تیری جو تو راضی ہوا
مجھ پہ گویا اک زمانہ مہرباں ہو جائے گا

گر نگاہِ گرم فرماتی رہی تعلیمِ ضبط
شعلہ خس میں جیسے خوں رگ میں نہاں ہو جائے گا

باغ میں مجھ کو نہ لے جا ورنہ میرے حال پر
ہر گلِ تر ایک چشمِ خوں فشاں ہو جائے گا

وائے گر میرا ترا انصاف محشر میں نہ ہو
اب تلک تو یہ توقع ہے کہ واں ہو جائے گا

فائدہ کیا سوچ آخر تو بھی دانا ہے اسد
دوستی ناداں کی ہے جی کا زیاں ہو جائے گا

غزل

درد منت کشِ دوا نہ ہوا
میں نہ اچھا ہوا برا نہ ہوا

جمع کرتے ہو کیوں رقیبوں کو
اک تماشا ہوا گلا نہ ہوا

ہم کہاں قسمت آزمانے جائیں
تو ہی جب خنجر آزما نہ ہوا

کتنے شیریں ہیں تیرے لب کہ رقیب
گالیاں کھا کے بے مزا نہ ہوا

ہے خبر گرم ان کے آنے کی
آج ہی گھر میں بوریا نہ ہوا

قطعہ [illegible]

[illegible]

مطلع

جب بتقریب سفر یار نے محمل باندھا
تپش شوق نے ہر ذرہ پہ اک دل باندھا

اہل بینش نے بحیرت کدۂ شوخی ناز
جوہر آئینہ کو طوطی بسمل باندھا

یاس و امید نے یک عربدہ میدان مانگا
عجز ہمت نے طلسم دل سائل باندھا

نہ بندھے تشنگی ذوق کے مضمون غالب
گرچہ دل کھول کے دریا کو بھی ساحل باندھا

کیا وہ نمرود کی خدائی تھی | بندگی مین مرا بھلا نہوا
جان دی دی ہوئی اوسیکی تھی | حق تو یون ہے کہ حق ادا نہوا
زخم گر دب گیا لہو نہ تھما | کام گر رک گیا روا نہوا
رہزنی ہے کہ دلستانی ہے | لیکے دل دلستان روانہ ہوا
کچھ تو پڑھئے کہ لوگ کہتے ہین | آج غالب غزل سرا نہوا

گلا ہے شوق کو دل مین بھی تنگی جا کا | گہر مین محو ہوا اضطراب دریا کا
یہ جانتا ہون کہ تو اور پاسخ مکتوب | مگر ستمزدہ ہون ذوق خامہ فرسا کا
حنائے پائے خزان ہے بہار اگر ہے یہی | دوام کلفت خاطر ہے عیش دنیا کا
غم فراق مین تکلیف سیر باغ نہ دو | مجھے دماغ نہین خندہ ہائے بیجا کا
ہنوز محرمی حسن کو ترستا ہون | کرے ہے ہر بن مو کام چشم بینا کا
دل اوسکو پہلے ہی ناز و ادا سے دے بیٹھے | ہمین دماغ کہان حسن کے تقاضا کا
نہ کہہ کہ گریہ بمقدار حسرت دل ہے | مری نگاہ مین ہے جمع و خرچ دریا کا
فلک کو دیکھ کے کرتا ہون اوسکو یاد اسد | جفا مین اوسکی ہے انداز کار فرما کا

[illegible]

مین اور بزم مے سے یون تشنہ کام آؤن
گر مین نے کی تھی توبہ ساقی کو کیا ہوا تھا

ہے ایک تیر جس مین دونون چھدے پڑے ہین
وہ دن گئے کہ اپنا دل سے جگر جدا تھا

درماندگی مین غالب کچھ بن پڑے تو جانون
جب رشتہ بیگرہ تھا ناخن گرہ کشا تھا

گھر ہمارا جو نہ روتے بھی تو ویران ہوتا
بحر گر بحر نہ ہوتا تو بیابان ہوتا

تنگی دل کا گلا کیا یہ وہ کافر دل ہے
کہ اگر تنگ نہ ہوتا تو پریشان ہوتا

بعد یک عمر ورع بار تو دیتا بارے
کاش رضوان ہی در یار کا دربان ہوتا

نہ تھا کچھ تو خدا تھا کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا
ڈبویا مجھکو ہونے نے نہ ہوتا مین تو کیا ہوتا

بدگمانی نے نہ چاہا اوسے سرگرم خرام
رخ پہ ہر قطرہ عرق دیدۂ حیران سمجھا
عجز سے اپنے یہ جانا کہ وہ بدخو ہوگا
نبض خس سے تپش شعلۂ سوزان سمجھا
سفر عشق مین کی ضعف نے راحت طلبی
ہر قدم سایہ کو مین اپنے شبستان سمجھا
تھا گریزان مژۂ یار سے دل تا دم مرگ
دفع پیکان قضا اسقدر آسان سمجھا
دل دیا جان کے کیون اسکو وفادار اسد
غلطی کی کہ جو کافر کو مسلمان سمجھا

ہوا جب غم سے یون بیحس تو غم کیا سر کے کٹنے کا
نہ ہوتا گر جدا تن سے تو زانو پر دھرا ہوتا

ہوئی مدت کہ غالب مر گیا پر یاد آتا ہے
وہ ہر اک بات پر کہنا کہ یون ہوتا تو کیا ہوتا

یک ذرۂ زمین نہین بیکار باغ کا
یان جادہ بھی فتیلہ ہے لالہ کے داغ کا

بے مے کسے ہے طاقت آشوب آگہی
کھینچا ہے عجز حوصلہ نے خط ایاغ کا

بلبل کے کاروبار پہ ہین خندہ ہاے گل
کہتے ہین جسکو عشق خلل ہے دماغ کا

تازہ نہین ہے نشۂ فکر سخن مجھے
تریاکئ قدیم ہون دود چراغ کا

سو بار بند عشق سے آزاد ہم ہوے
پر کیا کرین کہ دل ہی عدو ہے فراغ کا

بیخون دل ہے چشم مین موج نگہ غبار
یہ میکدہ خراب ہے مے کے سراغ کا

باغ شگفتہ تیرا بساط نشاط دل
ابر بہار خمکدہ کس کے دماغ کا

وہ مری چین جبین سے غم پنہان سمجھا
راز مکتوب بہ بے ربطی عنوان سمجھا

یک الف بیش نہین صیقل آئینہ ہنوز
چاک کرتا ہون مین جب سے کہ گریبان سمجھا

شرح اسباب گرفتاری خاطر مت پوچھ
اسقدر تنگ ہوا دل کہ مین زندان سمجھا

پھر مجھے دیدۂ تر یاد آیا
دل جگر تشنۂ فریاد آیا
دم لیا تھا نہ قیامت نے ہنوز
پھر ترا وقت سفر یاد آیا

غزل

سادگیہاے تمنا یعنی
پھر وہ نیرنگ نظر یاد آیا
عذر واماندگی اے حسرت دل
نالہ کرتا تھا جگر یاد آیا
زندگی یون بھی گذر ہی جاتی
کیون ترا راہگذر یاد آیا
کیا ہی رضوان سے لڑائی ہوگی
گھر ترا خلد مین گر یاد آیا
آہ وہ جرأت فریاد کہان
دل سے تنگ آ کے جگر یاد آیا
پھر ترے کوچہ کو جاتا ہے خیال
دل گم گشتہ مگر یاد آیا
کوئی ویرانی سی ویرانی ہے
دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا
مین نے مجنون پہ لڑکپن مین اسد
سنگ اٹھایا تھا کہ سر یاد آیا

میں نے مجنوں پہ لڑکپن میں اسد
سنگ اٹھایا تھا کہ سر یاد آیا

ہوئی تاخیر تو کچھ باعث تاخیر بھی تھا
آپ آتے تھے مگر کوئی عناں گیر بھی تھا

تم سے بیجا ہے مجھے اپنی تباہی کا گلا
اس میں کچھ شائبۂ خوبیٔ تقدیر بھی تھا

تو مجھے بھول گیا ہو تو پتا بتلا دوں
کبھی فتراک میں تیرے کوئی نخچیر بھی تھا

قید میں ہے ترے وحشی کو وہی زلف کی یاد
ہاں کچھ اک رنج گرانباریٔ زنجیر بھی تھا

بجلی اک کوند گئی آنکھوں کے آگے تو کیا
بات کرتے کہ میں لب تشنۂ تقریر بھی تھا

یوسف اس کو کہوں اور کچھ نہ کہے خیر ہوئی
گر بگڑ بیٹھے تو میں لائق تعزیر بھی تھا

دیکھ کر غیر کو ہو کیوں نہ کلیجا ٹھنڈا
نالہ کرتا تھا ولے طالب تاثیر بھی تھا

پیشے میں عیب نہیں رکھیے نہ فرہاد کو نام
ہم ہی آشفتہ سروں میں وہ جوان میر بھی تھا

ہم تھے مرنے کو کھڑے پاس نہ آیا نہ سہی
آخر اس شوخ کے ترکش میں کوئی تیر بھی تھا

پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پر ناحق
آدمی کوئی ہمارا دم تحریر بھی تھا

ریختے کے تمہیں استاد نہیں ہو غالب
کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی میر بھی تھا

بغل میں غیر کی آج آپ سوتے ہیں کہیں ورنہ
سبب کیا خواب میں آ کر تبسم ہائے پنہاں کا

نہیں معلوم کس کس کا لہو پانی ہوا ہوگا
قیامت ہے سرشک آلودہ ہونا تیری مژگاں کا

نظر میں ہے ہماری جادۂ راہ فنا غالب
کہ یہ شیرازہ ہے عالم کے اجزائے پریشاں کا

تو دوست کسی کا بھی ستمگر نہ ہوا تھا
اوروں پہ ہے وہ ظلم کہ مجھ پر نہ ہوا تھا

چھوڑا مہ نخشب کی طرح دست قضا نے
خورشید ہنوز اس کے برابر نہ ہوا تھا

توفیق باندازۂ ہمت ہے ازل سے
آنکھوں میں ہے وہ قطرہ کہ گوہر نہ ہوا تھا

جب تک کہ نہ دیکھا تھا قد یار کا عالم
میں معتقد فتنۂ محشر نہ ہوا تھا

میں سادہ دل آزردگیٔ یار سے خوش ہوں
یعنی سبق شوق مکرر نہ ہوا تھا

دریائے معاصی تنک آبی سے ہوا خشک
میرا سر دامن بھی ابھی تر نہ ہوا تھا

جاری تھی اسد داغ جگر سے مری تحصیل
آتشکدہ جاگیر سمندر نہ ہوا تھا

شب کہ وہ مجلس فروز خلوت ناموس تھا
رشتۂ ہر شمع خار کسوت فانوس تھا

مشہد عاشق سے کوسوں تک جو اگتی ہے حنا
کس قدر یا رب ہلاک حسرت پابوس تھا

حاصل الفت نہ دیکھا جز شکست آرزو
دل بدل پیوستہ گویا یک لب افسوس تھا

کیا کہوں بیماریٔ غم کی فراغت کا بیاں
جو کہ کھایا خون دل بے منت کیموس تھا

آئینہ دیکھ اپنا سا منہ لے کے رہ گئے
صاحب کو دل نہ دینے پہ کتنا غرور تھا

شکوہ سنجِ رشکِ ہمدیگر نہ رہنا چاہیے
میرا زانو مونس اور آئینہ تیرا آشنا

کوہکن نقاشِ یک تمثالِ شیرین تھا اسد
سنگ سے سر مار کر ہووے نہ پیدا آشنا

ذکر اوس پری وش کا اور پھر بیان اپنا
بن گیا رقیب آخر تھا جو رازدان اپنا

مے وہ کیون بہت پیتے بزمِ غیر مین یا رب
آج ہی ہوا منظور اونکو امتحان اپنا

منظر اک بلندی پر اور ہم بنا سکتے
عرش سے ادھر ہوتا کاش کے مکان اپنا

دے وہ جسقدر ذلت ہم ہنسی مین ٹالینگے
بارے آشنا نکلا اونکا پاسبان اپنا

دردِ دل لکھون کب تک جاؤن اونکو دکھلادون
انگلیان فگار اپنی خامہ خونچکان اپنا

[illegible]

قاصد کو اپنے ہاتھ سے گردن نماریے
اوسکی خطا نہین ہے یہ میرا قصور تھا

عرضِ نیازِ عشق کے قابل نہین رہا
جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہین رہا

جاتا ہون داغِ حسرتِ ہستی لیے ہوے
ہون شمعِ کشتہ درخورِ محفل نہین رہا

مرنے کی اے دل اور ہی تدبیر کر کہ مین
شایانِ دست و بازوی قاتل نہین رہا

بر روے شش جہت درِ آئینہ باز ہے
یان امتیازِ ناقص و کامل نہین رہا

وا کر دیے ہین شوق نے بندِ نقابِ حسن
غیر از نگاہ اب کوئی حائل نہین رہا

گو مین رہا رہینِ ستمہاے روزگار
لیکن ترے خیال سے غافل نہین رہا

دل سے ہواے کشتِ وفا مٹ گئی کہ وان
حاصل سواے حسرتِ حاصل نہین رہا

بیدادِ عشق سے نہین ڈرتا مگر اسد
جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہین رہا

رشک کہتا ہے کہ اوسکا غیر سے اخلاص حیف
عقل کہتی ہے کہ وہ بیمہر کسکا آشنا

ذرہ ذرہ ساغرِ میخانۂ نیرنگ ہے
گردشِ مجنون بچشمکہاے لیلا آشنا

شوق ہے سامان طرازِ نازشِ اربابِ عجز
ذرہ صحرا دستگاہ و قطرہ دریا آشنا

مین اور اک آفت کا ٹکڑا وہ دلِ وحشی کہ ہے
عافیت کا دشمن اور آوارگی کا آشنا

[illegible]

رحمت اگر قبول کرے کیا بعید ہے — شرمندگی سے عذر نہ کرنا گناہ کا

مقتل کو کس نشاط سے جاتا ہوں میں کہ ہے — پُرگل خیالِ زخم سے دامن نگاہ کا

جاں در ہوائے یک نگہِ گرم ہے اسد
پروانہ ہے وکیل ترے داد خواہ کا

جور سے باز آئے پر باز آئیں کیا — کہتے ہیں ہم تجھ کو منھ دکھلائیں کیا

رات دن گردش میں ہیں سات آسماں — ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا

لاگ ہو تو اس کو ہم سمجھیں لگاؤ — جب نہ ہو کچھ بھی تو دھوکا کھائیں کیا

ہو لیے کیوں نامہ بر کے ساتھ ساتھ — یا رب اپنے خط کو ہم پہنچائیں کیا

موجِ خوں سر سے گزر ہی کیوں نہ جائے — آستانِ یار سے اٹھ جائیں کیا

عمر بھر دیکھا کیا مرنے کی راہ — مر گئے پر دیکھیے دکھلائیں کیا

پوچھتے ہیں وہ کہ غالب کون ہے
کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا

لطافت بے کثافت جلوہ پیدا کر نہیں سکتی — چمن زنگار ہے آئینۂ بادِ بہاری کا

حریفِ جوششِ دریا نہیں خودداریِ ساحل — جہاں ساقی ہو تو باطل ہے دعویٰ ہوشیاری کا

عشرتِ قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا — درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا

تجھ سے قسمت میں مری صورتِ قفلِ ابجد — تھا لکھا بات کے بنتے ہی جدا ہو جانا

دل ہوا کشمکشِ چارۂ زحمت میں تمام — مٹ گیا گھسنے میں اس عقدے کا وا ہو جانا

اب جفا سے بھی ہیں محروم ہم اللہ اللہ — اس قدر دشمنِ اربابِ وفا ہو جانا

ضعف سے گریہ مبدل بہ دمِ سرد ہوا — باور آیا ہمیں پانی کا ہوا ہو جانا

دل سے مٹنا تری انگشتِ حنائی کا خیال — ہو گیا گوشت سے ناخن کا جدا ہو جانا

ہے مجھے ابرِ بہاری کا برس کر کھلنا — روتے روتے غمِ فرقت میں فنا ہو جانا

گر نہیں نکہتِ گل کو ترے کوچے کی ہوس — کیوں ہے گردِ رہِ جولانِ صبا ہو جانا

تاکہ تجھ پر کھلے اعجازِ ہوائے صیقل — دیکھ برسات میں سبز آئنے کا ہو جانا

بخشے ہے جلوۂ گل ذوقِ تماشا غالب — چشم کو چاہیے ہر رنگ میں وا ہو جانا

باب الباء

پھر ہوا وقت کہ ہو بال کشا موجِ شراب — دے بطِ مے کو دل و دستِ شنا موجِ شراب

پوچھ مت وجہِ سیہ مستیِ اربابِ چمن — سایۂ تاک میں ہوتی ہے ہوا موجِ شراب

جو ہوا غرقۂ مے بختِ رسا رکھتا ہے — سر سے گزرے پہ بھی ہے بالِ ہما موجِ شراب

بہار آگہی تا قیامت سلامت
پیام الف و زمزم ناز حضرت سلامت
بلا ہم سے عشق تو شیدائے شرب
ستم ہائے خداوند نعمت سلامت
کہ اظہار ہم تو ہیں شہید وفا ہوں
مبارک مبارک سلامت سلامت
ہیں اگر دو بدلی اور اک معنی
تماشائے نیرنگ صورت سلامت
چمن میں گل ہوتی ہوا کھلیں غنا لب
یہ آرام سے پائیں پیار وصل بہ فرقت

ہے یہ برسات وہ موسم کہ عجب کیا ہے اگر	موجِ ہستی کو کرے فیضِ ہوا موجِ شراب
چار موج اٹھتی ہے طوفانِ طرب سے ہر سو	موجِ گل موجِ شفق موجِ صبا موجِ شراب
جس قدر روح نباتی ہے جگر تشنۂ ناز	دے ہے تسکین بدمِ آبِ بقا موجِ شراب
بسکہ دوڑے ہے رگِ تاک میں خون ہو ہو کر	شہپرِ رنگ سے ہے بال کشا موجِ شراب
موجۂ گل سے چراغاں ہے گزرگاہِ خیال	ہے تصور میں ز بس جلوہ نما موجِ شراب
نشے کے پردے میں ہے محوِ تماشائے دماغ	بسکہ رکھتی ہے سرِ نشو و نما موجِ شراب
ایک عالم پہ ہیں طوفانیِ کیفیتِ فصل	موجۂ سبزۂ نوخیز سے تا موجِ شراب
شرحِ ہنگامۂ ہستی ہے زہے موسمِ گل	رہبرِ قطرہ بہ دریا ہے خوشا موجِ شراب

ہوش اڑتے ہیں مرے جلوۂ گل دیکھ اسدؔ
پھر ہوا وقت کہ ہو بال کشا موجِ شراب

باب التاء

افسوس کہ دنداں کا کیا رزق فلک نے	جن لوگوں کی تھی درخورِ عقدِ گہر انگشت
کافی ہے نشانی تری چھلّے کا نہ دینا	خالی مجھے دکھلا کے بوقتِ سفر انگشت
لکھتا ہوں اسدؔ سوزشِ دل سے سخنِ گرم	تا رکھ نہ سکے کوئی مرے حرف پہ انگشت

آہ خط سے ہو اسے سرو و بار دوست
دود شمع کشتہ تھا شاید خطِ رخسارِ دوست
اے دلِ نا عاقبت اندیش ضبطِ شوق کر
کون لا سکتا ہے تابِ جلوۂ دیدارِ دوست

ردیف الثاء

خانہ ویراں سازیٔ حیرت تماشا کیجیے
صورتِ نقشِ قدم ہوں رفتۂ رفتارِ دوست
عشق میں بیدادِ رشکِ غیر نے مارا مجھے
کشتۂ دشمن ہوں آخر گرچہ تھا بیمارِ دوست
چشمِ ما روشن کہ اس بے درد کا دل شاد ہے
دیدۂ پرخوں ہمارا ساغرِ سرشارِ دوست
غیر یوں کرتا ہے میری پرسش اس کے ہجر میں
بے تکلف دوست ہو جیسے کوئی غمخوارِ دوست
تاکہ میں جانوں کہ ہے اس کی رسائی واں تلک
مجھ کو دیتا ہے پیامِ وعدۂ دیدارِ دوست
جبکہ میں کرتا ہوں اپنا شکوۂ ضعفِ دماغ
سر کرے ہے وہ حدیثِ زلفِ عنبر بارِ دوست
چپکے چپکے مجھ کو روتے دیکھ پاتا ہے اگر
ہنس کے کرتا ہے بیانِ شوخیِ گفتارِ دوست

[illegible]

باب الدال

حسن غمزے کی کشاکش سے چھٹا میرے بعد
بارے آرام سے ہیں اہل جفا میرے بعد
منصب شیفتگی کے کوئی قابل نہ رہا
ہوئی معزولیٔ انداز و ادا میرے بعد
شمع بجھتی ہے تو اس میں سے دھواں اٹھتا ہے
شعلۂ عشق سیہ پوش ہوا میرے بعد
خوں ہے دل خاک میں احوال بتاں پر یعنی
ان کے ناخن ہوئے محتاج حنا میرے بعد

مہربانیہاے دشمن کی شکایت کیجے	یا بیان کیجے سپاس لذت آزار دوست

یہ غزل اپنی مجھے جی سے پسند آتی ہے آپ
ہے ردیف شعر میں غالبؔ ز بس تکرار دوست

باب الجیم

گلشن میں بندوبست برنگ دگر ہے آج	قمری کا طوق حلقۂ بیرون در ہے آج
آتا ہے ایک پارۂ دل ہر فغاں کے ساتھ	تار نفس کمند شکار اثر ہے آج
اے عافیت کنارہ کر اے انتظام چل	سیلاب گریہ درپئے دیوار و در ہے آج

لو ہم مریض عشق کے بیمار دار ہیں
اچھا اگر نہ ہو تو مسیحا کا کیا علاج

باب الجیم فارسی

نفس نہ انجمن آرزو سے باہر کھینچ	اگر شراب نہیں انتظار ساغر کھینچ
کمال گرمیٔ سعیٔ تلاش دید نہ پوچھ	برنگ خار مرے آئنہ سے جوہر کھینچ
تجھے بہانۂ راحت ہے انتظار اے دل	کیا ہے کس نے اشارہ کہ ناز بستر کھینچ
تری طرف ہے بحسرت نظارۂ نرگس	بکوریٔ دل و چشم رقیب ساغر کھینچ

ایضاً

درخور عرض نہیں جوہر بیداد کو جا
نگہ ناز ہے سرمے سے خفا میرے بعد
ہے جنوں اہل جنوں کے لیے آغوش وداع
چاک ہوتا ہے گریباں سے جدا میرے بعد
کون ہوتا ہے حریف مے مرد افگن عشق
ہے مکرر لب ساقی میں صلا میرے بعد
غم سے مرتا ہوں کہ اتنا نہیں دنیا میں کوئی
کہ کرے تعزیت مہر و وفا میرے بعد
آئے ہے بیکسیٔ عشق پہ رونا غالبؔ
کس کے گھر جائے گا سیلاب بلا میرے بعد

باب الرا

بلا سے ہیں جو یہ پیش نظر در و دیوار
نگاہ شوق کو ہیں بال و پر در و دیوار

چھوڑوں گا مین نہ اوس بت کافر کا پوجنا
چھوڑے نہ خلق گو مجھے کافر کہے بغیر
مقصد ہے ناز و غمزہ ولے گفتگو مین کام
چلتا نہین ہے دشنہ و خنجر کہے بغیر
ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو
بنتی نہین ہے بادہ و ساغر کہے بغیر
بہرا ہون مین تو چاہیے دونا ہو التفات
سنتا نہین ہون بات مکرر کہے بغیر
غالب نہ کر حضور مین تو بار بار عرض
ظاہر ہے تیرا حال سب اون پر کہے بغیر

کیون جل گیا نہ تاب رخ یار دیکھکر
جلتا ہون اپنی طاقت دیدار دیکھکر
آتش پرست کہتے ہین اہل جہان مجھے
سرگرم نالہ ہائے شرربار دیکھکر

دیوان غالب

وفور اشک نے کاشانہ کا کیا یہ رنگ
کہ ہو گئی مری دیوار و در در و دیوار
نہین ہے سایہ کہ سنکر نوید مقدم یار
گئے ہین چند قدم پیشتر در و دیوار
ہوئی ہے کسقدر ارزانی مے جلوہ
کہ مست ہے ترے کوچے مین ہر در و دیوار
جو ہے تجھے سر سودائے انتظار تو آ
کہ ہین دکان متاع نظر در و دیوار
ہجوم گریہ کا سامان کب کیا مین نے
کہ گر پڑے نہ مرے پانون پر در و دیوار
وہ آرہا مرے ہمسایہ مین تو سائے سے
ہوے فدا در و دیوار پر در و دیوار
نظر مین کھٹکے ہے بن تیرے گھر کی آبادی
ہمیشہ روتے ہین ہم دیکھکر در و دیوار
نہ پوچھ بیخودی عیش مقدم سیلاب
کہ ناچتے ہین پڑے سر بسر در و دیوار
نہ کہہ کسی سے کہ غالب نہین زمانے مین
حریف راز محبت مگر در و دیوار

گھر جب بنا لیا ترے در پر کہے بغیر
جانے گا اب بھی تو نہ مرا گھر کہے بغیر
کہتے ہین جب رہی نہ مجھے طاقت سخن
جانون کسیکے دل کی مین کیونکر کہے بغیر
کام اوس سے آپڑا ہے کہ جسکا جہان مین
لیوے نہ کوئی نام ستمگر کہے بغیر
جی مین ہی کچھ نہین ہے ہمارے وگرنہ ہم
سر جائے یا رہے نہ رہین پر کہے بغیر

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

کیا بدگماں ہے مجھ سے کہ آئینے میں مرے
طوطی کا عکس سمجھے ہے زنگار دیکھ کر

گرنی تھی ہم پہ برق تجلی نہ طور پر
دیتے ہیں بادہ ظرف قدح خوار دیکھ کر

سر پھوڑنا وہ غالب شوریدہ حال کا
یاد آ گیا مجھے تری دیوار دیکھ کر

لرزتا ہے مرا دل زحمت مہر درخشاں پر
میں ہوں وہ قطرۂ شبنم کہ ہو خار بیاباں پر

نہ چھوڑی حضرت یوسف نے یاں بھی خانہ آرائی
سفیدی دیدۂ یعقوب کی پھرتی ہے زنداں پر

فنا تعلیم درس بیخودی ہوں اوس زمانے سے
کہ مجنوں لام الف لکھتا تھا دیوار دبستاں پر

فراغت کس قدر رہتی مجھے تشویش مرہم سے
بہم گر صلح کرتے پارہ ہائے دل نمکداں پر

نہیں اقلیم الفت میں کوئی طومار ناز ایسا
کہ پشت چشم سے جسکی نہووے مہر عنواں پر

مجھے اب دیکھکر ابر شفق آلودہ یاد آیا
کہ فرقت میں تری آتش برستی تھی گلستاں پر

بجز پرواز شوق ناز کیا باقی رہا ہوگا
قیامت اک ہوائے تند ہے خاک شہیداں پر

نہ لڑ ناصح سے غالب کیا ہوا گر اوسنے شدت کی
ہمارا بھی تو آخر زور چلتا ہے گریباں پر

ہے بسکہ ہر اک اونکے اشارے میں نشاں اور
کرتے ہیں محبت تو گزرتا ہے گماں اور

لیتا نہ اگر دل تمہیں دیتا کوئی دم چین
کرتا جو نہ مرتا کوئی دن آہ و فغاں اور

پاتے نہیں جب راہ تو چڑھ جاتے ہیں نالے
رکتی ہے مری طبع تو ہوتی ہے رواں اور

ہیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت اچھے
کہتے ہیں کہ غالب کا ہے انداز بیاں اور

صفائے حیرت آئینہ ہے سامان زنگ آخر
تغیر آب برجا ماندہ کا پاتا ہے رنگ آخر

نہ کی سامان عیش و جاہ نے تدبیر وحشت کی
ہوا جام زمرد بھی مجھے داغ پلنگ آخر

جنوں کی دستگیری کس سے ہو گر ہو نہ عریانی
گریباں چاک کا حق ہو گیا ہے میری گردن پر

برنگ کاغذ آتش زدہ نیرنگ بیتابی
ہزار آئینہ دل باندھے ہے بال یک تپیدن پر

گزری نہ بہرحال یہ مدت خوش و ناخوش
کرنا تھا جوانمرگ گزارا کوئی دن اور

ناداں ہو جو کہتے ہو کہ کیوں جیتے ہیں غالب
قسمت میں ہے مرنے کی تمنا کوئی دن اور

باب الراء

فلک سے ہم کو عیش رفتہ کا کیا کیا تقاضا ہے
متاع بردہ کو سمجھے ہوئے ہیں قرض رہزن پر

ہم اور وہ بے سبب رنج آشنا دشمن کہ رکھتا ہے
شعاع مہر سے تہمت نگہ کی چشم روزن پر

فنا کو سونپ گر مشتاق ہے اپنی حقیقت کا
فروغ طالع خاشاک ہے موقوف گلخن پر

اسد بسمل ہے کس انداز کا قاتل سے کہتا ہے
کہ مشق ناز کر خون دو عالم میری گردن پر

ستم کش مصلحت سے ہوں کہ خوباں تجھ پہ عاشق ہیں
تکلف برطرف مل جائیگا تجھسا رقیب آخر

لازم تھا کہ دیکھو مرا رستا کوئی دن اور
تنہا گئے کیوں اب رہو تنہا کوئی دن اور

مٹ جائیگا سر گر ترا پتھر نہ گھسے گا
ہوں در پہ ترے ناصیہ فرسا کوئی دن اور

آئے ہو کل اور آج ہی کہتے ہو کہ جاؤں
مانا کہ ہمیشہ نہیں اچھا کوئی دن اور

جاتے ہوئے کہتے ہو قیامت کو ملینگے
کیا خوب قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور

ہاں اے فلک پیر جوان تھا ابھی عارف
کیا تیرا بگڑتا جو نہ مرتا کوئی دن اور

تم ماہ شب چار دہم تھے مرے گھر کے
پھر کیوں نہ رہا گھر کا وہ نقشا کوئی دن اور

تم کون سے تھے ایسے کھرے داد و ستد کے
کرتا ملک الموت تقاضا کوئی دن اور

مجھ سے تمہیں نفرت سہی نیر سے لڑائی
بچوں کا بھی دیکھا نہ تماشا کوئی دن اور

فارغ مجھے نہ جان کہ مانند صبح و مہر
ہے داغ عشق زینت جیب کفن ہنوز

ہے ناز مفلساں زر از دست رفتہ پر
ہوں گل فروش شوخی داغ کہن ہنوز

میخانۂ جگر میں یہاں خاک بھی نہیں
خمیازہ کھینچے ہے بت بیداد فن ہنوز

حریف مطلب مشکل نہیں فسون نیاز
دعا قبول ہو یارب کہ عمر خضر دراز

دیوان غالب

نہ ہو بہرزہ بیاباں نورد وہم وجود
ہنوز تیرے تصور میں ہے نشیب و فراز

وصال جلوہ تماشا ہے پر دماغ کہاں
کہ دیجئے آئینۂ انتظار کو پرداز

ہر ایک ذرۂ عاشق ہے آفتاب پرست
گئی نہ خاک ہوئے پر ہوائے جلوۂ ناز

[illegible]

باب سین مہملہ

دل سے نکلا پہ نہ نکلا دل سے	ہے ترے تیر کا پیکان عزیز

تاب لائے ہی بنیگی غالب
واقعہ سخت ہے اور جان عزیز

نہ گل نغمہ ہون نہ پردۂ ساز	مین ہون اپنے شکست کی آواز
تو اور آرائش خم کاکل	مین اور اندیشہاے دور دراز
لاف تمکین فریب سادہ دلی	ہم ہین اور راز ہاے سینہ گداز
ہون گرفتار الفت صیاد	ورنہ باقی ہے طاقت پرواز
وہ بھی دن ہو کہ اوس ستمگر سے	ناز کھینچون بجاے حسرت ناز
نہین دل مین مرے وہ قطرۂ خون	جس سے مژگان ہوئی نہو گلباز
اے ترا غمزہ یک قلم انگیز	اے ترا ظلم سربسر انداز
تو ہوا جلوہ گر مبارک ہو	ریزش سجدۂ جبین نیاز
مجھکو پوچھا تو کچھ غضب نہ ہوا	مین غریب اور تو غریب نواز

اسد اللہ خان تمام ہوا
اے دریغا وہ رند شاہد باز

باب شین معجمہ

باب عین مہملہ

یاد ہیں غالب تجھے وہ دن کہ وجد ذوق میں
زخم سے گرتا تو میں پلکوں سے چنتا تھا نمک

چھوڑ کر جانا تن مجروح عاشق حیف ہے
دل طلب کرتا ہے زخم اور مانگے ہیں اعضا نمک

غیر کی منت نہ کھینچونگا پے توفیر درد
زخم مثل خندہ قاتل ہے سراپا نمک

داد دیتا ہے مرے زخم جگر کی واہ واہ
یاد کرتا ہے مجھے دیکھے ہے وہ جس جا نمک

آہ کو چاہیے اک عمر اثر ہونے تک
کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہونے تک

دام ہر موج میں ہے حلقۂ صد کام نہنگ
دیکھیں کیا گزرے ہے قطرے پہ گہر ہونے تک

عاشقی صبر طلب اور تمنا بیتاب
دل کا کیا رنگ کروں خون جگر ہونے تک

کرے ہے صرف بایماے شعلہ قصہ تمام	بطرز اہل فنا ہے فسانہ خوانی شمع
غم اسکو حسرت پروانہ کا ہے اے شعلہ	ترے لرزنے سے ظاہر ہے ناتوانی شمع
ترے خیال سے روح اہتزاز کرتی ہے	بجلوہ ریزی باد و بہ پر فشانی شمع
نشاط داغ غم عشق کی بہار نہ پوچھ	شگفتگی ہے شہید گل خزانی شمع

جلے ہے دیکھ کے بالین یار پر مجھکو
نکیون ہو دل پہ مرے داغ بدگمانی شمع

باب الفا

بیم رقیب سے نہین کرتے وداع ہوش	مجبور یان تلک ہوئے اے اختیار حیف
جلتا ہے دل کہ کیون نہ ہم اکبار جل گئے	اے ناتمامی نفس شعلہ بار حیف

باب کاف تازی

زخم پر چھڑکیں کہان طفلان بے پروا نمک	کیا مزا ہوتا اگر پتھر مین بھی ہوتا نمک
گرد راہ یار ہے سامان ناز زخم دل	ورنہ ہوتا ہے جہان مین کسقدر پیدا نمک
مجھکو ارزانی رہے تجھکو مبارک ہوجیو	نالۂ بلبل کا درد اور خندۂ گل کا نمک
شور جولان تھا کنار بحر پر کسکا کہ آج	گرد ساحل ہے بزخم موجۂ دریا نمک

ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے لیکن
خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک

پرتو خور سے ہے شبنم کو فنا کی تعلیم
میں بھی ہوں ایک عنایت کی نظر ہونے تک

یک نظر بیش نہیں فرصت ہستی غافل
گرمی بزم ہے اک رقص شرر ہونے تک

غم ہستی کا اسد کس سے ہو جز مرگ علاج
شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

باب کاف فارسی

گر تجھ کو ہے یقین اجابت دعا نہ مانگ
یعنی بغیر یک دل بے مدعا نہ مانگ

آتا ہے داغ حسرت دل کا شمار یاد
مجھ سے مرے گنہ کا حساب اے خدا نہ مانگ

[illegible]

باب النون

[illegible]

لوں وام بخت خفتہ سے یک خواب خوش ولے
غالب یہ خوف ہے کہ کہاں سے ادا کروں

باب اللام

ہے کسقدر ہلاک فریب وفاے گل
بلبل کے کاروبار پہ ہین خندہ ہاے گل

آزادے نسیم مبارک کہ ہر طرف
ٹوٹے پڑے ہین حلقۂ دام ہواے گل

جو تھا سو موج رنگکے دھوکے مین مر گیا
اے واے نالۂ لب خونین نواے گل

خوشحال اوس حریف سیہ مست کا کہ جو
رکھتا ہو مثل سایۂ گل سر بپاے گل

ایجاد کرتی ہے اسے تیرے لیے بہار
میرا رقیب ہے نفس عطر ساے گل

شرمندہ رکھتے ہین مجھے باد بہار سے
میناے بے شراب و دل بے ہواے گل

سطوت سے تیرے جلوۂ حسن غیور کے
خون ہے مری نگاہ مین رنگ اداے گل

تیرے ہی جلوہ کا ہے یہ دھوکا کہ آجتک
بے اختیار دوڑے ہے گل در قفاے گل

غالب مجھے ہے اوس سے ہم آغوش آرزو
جسکا خیال ہے گل جیب قباے گل

باب المیم

غم نہین ہوتا ہے آزادون کو بیش از یکنفس
برق سے کرتے ہین روشن شمع ماتم خانہ ہم

محفلین برہم کرے ہے گنجفہ باز خیال
ہین ورق گردانی نیرنگ یک بتخانہ ہم

وہ فراق اور وہ وصال کہان
وہ شب و روز و ماہ و سال کہان

فرصت کاروبار شوق کسے
ذوق نظارۂ جمال کہان

دل تو دل وہ دماغ بھی نہ رہا
شور سوداے خط و خال کہان

تھی وہ اک شخص کے تصور سے
اب وہ رعنائی خیال کہان

ایسا آسان نہین لہو رونا
دل مین طاقت جگر مین حال کہان

ہم سے چھوٹا قمارخانۂ عشق
وان جو جاوین گرہ مین مال کہان

فکر دنیا مین سر کھپاتا ہون	مین کہان اور یہ وبال کہان

مضمحل ہو گئے قوی غالب
وہ عناصر مین اعتدال کہان

کی وفا ہم سے تو غیر اسکو جفا کہتے ہین
ہوتی آئی ہے کہ اچھون کو برا کہتے ہین

آج ہم اپنی پریشانیِ خاطر اون سے
کہنے جاتے تو ہین پر دیکھیے کیا کہتے ہین

اگلے وقتون کے ہین یہ لوگ انھین کچھ نہ کہو
جو مے و نغمہ کو اندوہ ربا کہتے ہین

دل مین آ جائے ہے ہوتی ہے جو فرصت غش سے
اور پھر کون سے نالے کو رسا کہتے ہین

ہے پرے سرحد ادراک سے اپنا مسجود
قبلہ کو اہل نظر قبلہ نما کہتے ہین

پائے افگار پہ جب سے تجھے رحم آیا ہے
خار رہ کو ترے ہم مہر گیا کہتے ہین

اک شرر دل مین ہے اوس سے کوئی گھبرائیگا کیا
آگ مطلوب ہے ہمکو جو ہوا کہتے ہین

دیکھیے لاتی ہے اوس شوخ کی نخوت کیا رنگ
اوسکی ہر بات پہ ہم نام خدا کہتے ہین

وحشت و شیفتہ اب مرثیہ کہوین شاید
مرگیا غالب آشفتہ نوا کہتے ہین

آبرو کیا خاک اوس گل کی کہ گلشن مین نہین	ہے گریبان ننگ پیراہن جو دامن مین نہین

ضعف سے اے گریہ کچھ باقی مرے تن مین نہین
رنگ ہو کر اوڑ گیا جو خون کہ دامن مین نہین

ہو گئے ہین جمع اجزائے نگاہ آفتاب
ذرے اوسکے گھر کی دیوارون کے روزن مین نہین

کیا کہون تاریکی زندان غم اندھیر ہے
پنبہ نور صبح سے کم جسکے روزن مین نہین

رونق ہستی ہے عشق خانہ ویران ساز سے
انجمن بے شمع ہے گر برق خرمن مین نہین

زخم سلوانے سے مجھ پر چارہ جوئی کا ہے طعن
غیر سمجھا ہے کہ لذت زخم سوزن مین نہین

بسکہ ہین ہم اک بہار ناز کے مارے ہوے
جلوہ گل کے سوا گرد اپنے مدفن مین نہین

قطرہ قطرہ اک ہیولیٰ ہے نئے ناسور کا
خون بھی ذوق درد سے فارغ مرے تن مین نہین

لے گئی ساقی کی نخوت قلزم آشامی مری
موج مے کی آج رگ مینا کی گردن مین نہین

ہو فشار ضعف مین کیا ناتوانی کی نمود
قد کے جھکنے کی بھی گنجائش مرے تن مین نہین

تھی وطن مین شان کیا غالب کہ ہو غربت مین قدر
بے تکلف ہون وہ مشت خس کہ گلخن مین نہین

[illegible]

مہرباں ہو کے بلا لو مجھے چاہو جس وقت
میں گیا وقت نہیں ہوں کہ پھر آ بھی نہ سکوں

ضعف میں طعنۂ اغیار کا شکوہ کیا ہے
بات کچھ سر تو نہیں ہے کہ اٹھا بھی نہ سکوں

زہر ملتا ہی نہیں مجھکو ستمگر ورنہ
کیا قسم ہے ترے ملنے کی کہ کھا بھی نہ سکوں

ہم سے کھل جاؤ بوقت مے پرستی ایکدن
ورنہ ہم چھیڑینگے رکھکر عذر مستی ایکدن

غرۂ اوج بناے عالم امکاں نہ ہو
اس بلندی کے نصیبوں میں ہے پستی ایکدن

قرض کی پیتے تھے مے لیکن سمجھتے تھے کہ ہاں
رنگ لاویگی ہماری فاقہ مستی ایکدن

نغمہاے غم کو بھی اے دل غنیمت جانیے
بے صدا ہو جائیگا یہ ساز ہستی ایکدن

دھول دھپا اوس سراپا ناز کا شیوہ نہیں
ہم ہی کر بیٹھے تھے غالب پیشدستی ایکدن

ہم پر جفا سے ترک وفا کا گماں نہیں
اک چھیڑ ہے وگرنہ مراد امتحاں نہیں

کس منہ سے شکر کیجیے اس لطف خاص کا
پرسش ہے اور پاے سخن درمیاں نہیں

ہمکو ستم عزیز ستمگر کو ہم عزیز
نامہرباں نہیں ہے اگر مہرباں نہیں

بوسہ اگر نہ دیجیے دشنام ہی سہی
آخر زباں تو رکھتے ہو تم گر دہاں نہیں

ہر چند جانگدازی قہر و عتاب ہے
ہر چند پشت گرمی تاب و تواں نہیں

جان مطرب ترانۂ هل من مزید ہے
لب پردہ سنج زمزمۂ الاماں نہیں

خنجر سے چیر سینہ اگر دل نہ ہو دو نیم
دل میں چھری چبھو مژہ گر خونچکاں نہیں

ہے ننگ سینہ دل اگر آتش کدہ نہ ہو
ہے عار دل نفس اگر آذر فشاں نہیں

نقصاں نہیں جنوں میں بلا سے ہو گھر خراب
سو گز زمیں کے بدلے بیاباں گراں نہیں

کہتے ہو کیا لکھا ہے تری سرنوشت میں
گویا جبیں پہ سجدۂ بت کا نشاں نہیں

پاتا ہوں اس سے داد کچھ اپنے کلام کی
روح القدس اگرچہ مرا ہمزباں نہیں

جاں ہے بہاے بوسہ ولے کیوں کہے ابھی
غالب کو جانتا ہے کہ وہ نیم جاں نہیں

مانع دشت نوردی کوئی تدبیر نہیں
ایک چکر ہے مرے پانو میں زنجیر نہیں

شوق اس دشت میں دوڑاے ہے مجھکو کہ جہاں
جادہ غیر از نگہ دیدۂ تصویر نہیں

حسرت لذت آزار رہی جاتی ہے
جادۂ راہ وفا جز دم شمشیر نہیں

رنج نومیدی جاوید گوارا رہیو
خوش ہوں گر نالہ زبونی کش تاثیر نہیں

سر کھجاتا ہے جہاں زخم سر اچھا ہو جاے
لذت سنگ باندازۂ تقریر نہیں

جب کرم رخصت بیباکی و گستاخی دے
کوئی تقصیر بجز خجلت تقصیر نہیں

غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقول ناسخ
آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہیں

ترے سرو قامت سے اک قد آدم
قیامت کے فتنے کو کم دیکھتے ہین
تماشا کر اے محو آئینہ داری
تجھے کس تمنا سے ہم دیکھتے ہین
سراغ تف نالہ لے داغ دل سے
کہ شبرو کا نقش قدم دیکھتے ہین
بنا کر فقیرون کا ہم بھیس غالب
تماشائے اہل کرم دیکھتے ہین

مطلع

مت مردمک دیدہ مین سمجھو یہ نگاہین
ہین جمع سویدائے دل چشم مین آہین

برشکال گریۂ عاشق ہے دیکھا چاہیے
کھل گئی مانند گل سو جا سے دیوار چمن

الفت گل سے غلط ہے دعوی وارستگی
سرو ہے با وصف آزادی گرفتار چمن

عشق تاثیر سے نومید نہین
جانسپاری شجر بید نہین

سلطنت دست بدست آئی ہے
جام مے خاتم جمشید نہین

ہے تجلی تری سامان وجود
ذرہ بے پرتو خورشید نہین

راز معشوق نہ رسوا ہو جائے
ورنہ مر جانے مین کچھ بھید نہین

گردش رنگ طرب سے ڈر ہے
غم محرومی جاوید نہین

کہتے ہین جیتے ہین امید پہ لوگ
ہمکو جینے کی بھی امید نہین

جہان تیرا نقش قدم دیکھتے ہین
خیابان خیابان ارم دیکھتے ہین

دل آشفتگان خال کنج دہن کے
سویدا مین سیر عدم دیکھتے ہین

ملتی ہے خوے یار سے نار التہاب مین
کافر ہون گر نہ ملتی ہو راحت عذاب مین
کب سے ہون کیا بتاؤن جہان خراب مین
شبہاے ہجر کو بھی رکھون گر حساب مین
تا پھر نہ انتظار مین نیند آئے عمر بھر
آنے کا عہد کر گئے آئے جو خواب مین

ردیف نون

قاصد کے آتے آتے خط اک اور لکھ رکھون
مین جانتا ہون جو وہ لکھینگے جواب مین
مجھ تک کب انکی بزم مین آتا تھا دور جام
ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب مین
جو منکر وفا ہو فریب اوس پہ کیا چلے
کیون بدگمان ہون دوست سے دشمن کے باب مین
مین اور حظ وصل خدا ساز بات ہے
جان نذر دینی بھول گیا اضطراب مین
ہے تیوری چڑھی ہوئی اندر نقاب کے
ہے اک شکن پڑی ہوئی طرف نقاب مین
لاکھون لگاؤ ایک چرانا نگاہ کا
لاکھون بناؤ ایک بگڑنا عتاب مین

میں اور حظِ وصل خدا ساز بات ہے
جاں نذر دینی بھول گیا اضطراب میں

ہے تیوری چڑھی ہوئی اندر نقاب کے
ہے اک شکن پڑی ہوئی طرفِ نقاب میں

لاکھوں لگاؤ ایک چرانا نگاہ کا
لاکھوں بناؤ ایک بگڑنا عتاب میں

وہ نالہ دل میں خس کے برابر جگہ نہ پائے
جس نالہ سے شگاف پڑے آفتاب میں

وہ سحر مدعا طلبی میں نہ کام آئے
جس سحر سے سفینہ رواں ہو سراب میں

غالب چھٹی شراب پر اب بھی کبھی کبھی
پیتا ہوں روزِ ابر و شبِ ماہتاب میں

کل کے لیے کر آج نہ خسّت شراب میں
یہ سوءِ ظن ہے ساقیِ کوثر کے باب میں

ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند
گستاخیِ فرشتہ ہماری جناب میں

جاں کیوں نکلنے لگتی ہے تن سے دمِ سماع
گر وہ صدا سمائی ہے چنگ و رباب میں

رَو میں ہے رخشِ عمر کہاں دیکھیے تھمے
نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

اتنا ہی مجھ کو اپنی حقیقت سے بُعد ہے
جتنا کہ وہمِ غیر سے ہوں پیچ و تاب میں

اصلِ شہود و شاہد و مشہود ایک ہے
حیراں ہوں پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں

ہے مشتمل نمودِ صُوَر پر وجودِ بحر
یاں کیا دھرا ہے قطرہ و موج و حباب میں

شرم اک ادائے ناز ہے اپنے ہی سے سہی
ہیں کتنے بے حجاب کہ ہیں یوں حجاب میں

آرائشِ جمال سے فارغ نہیں ہنوز
پیشِ نظر ہے آئنہ دائم نقاب میں

ہے غیبِ غیب جس کو سمجھتے ہیں ہم شہود
ہیں خواب میں ہنوز جو جاگے ہیں خواب میں

لو وہ بھی کہتے ہیں کہ یہ بے ننگ و نام ہے
یہ جانتا اگر تو لٹاتا نہ گھر کو میں

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک تیز رو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

خواہش کو احمقوں نے پرستش دیا قرار
کیا پوجتا ہوں اس بتِ بیداد گر کو میں

پھر بےخودی میں بھول گیا راہِ کوئے یار
جاتا وگرنہ ایک دن اپنی خبر کو میں

اپنے پہ کر رہا ہوں قیاس اہلِ دہر کا
سمجھا ہوں دل پذیر متاعِ ہنر کو میں

غالب خدا کرے کہ سوارِ سمندِ ناز
دیکھوں علی بہادرِ عالی گہر کو میں

وعدۂ سیرِ گلستاں ہے خوشا طالعِ شوق
مژدۂ قتل مقدر ہے جو مذکور نہیں

شاہدِ ہستیِ مطلق کی کمر ہے عالم
لوگ کہتے ہیں کہ ہے پر ہمیں منظور نہیں

نفی سے کرتی ہے اثبات تراوش گویا
دی ہے جاے دہن اسکو دم ایجاد نہین

کم نہین جلوہ گری مین ترے کوچے سے بہشت
یہی نقشہ ہے ولے اسقدر آباد نہین

کرتے کس منہ سے ہو غربت کی شکایت غالب
تمکو بے مہری یاران وطن یاد نہین

دونون جہان دے کے وہ سمجھے یہ خوش رہا
یان آ پڑی یہ شرم کہ تکرار کیا کرین

تھک تھک کے ہر مقام پہ دو چار رہ گئے
تیرا پتا نہ پائین تو ناچار کیا کرین

کیا شمع کے نہین ہین ہوا خواہ اہل بزم
ہو غم ہی جان گداز تو غمخوار کیا کرین

ہو گئی ہے غیر کی شیرین بیانی کارگر
عشق کا اوسکو گمان ہم بے زبانون پر نہین

قطرہ اپنا بھی حقیقت مین ہے دریا لیکن
ہمکو تقلید تنک ظرفی منصور نہین

حسرت اے ذوق خرابی کہ وہ طاقت نہ رہی
عشق پر عربدہ کی گون تن رنجور نہین

مین جو کہتا ہون کہ ہم لینگے قیامت مین تمھین
کس رعونت سے وہ کہتے ہین کہ ہم حور نہین

ظلم کر ظلم اگر لطف دریغ آتا ہو
تو تغافل مین کسی رنگ سے معذور نہین

صاف دُردی کش پیمانۂ جم ہین ہم لوگ
واے وہ بادہ کہ افشردۂ انگور نہین

ہون ظہوری کے مقابل مین خفائی غالب
میرے دعوے پہ یہ حجت ہے کہ مشہور نہین

نالہ جز حسن طلب اے ستم ایجاد نہین
ہے تقاضاے جفا شکوۂ بیداد نہین

عشق و مزدوری عشرتگہ خسرو کیا خوب
ہمکو تسلیم نکونامی فرہاد نہین

کم نہین وہ بھی خرابی مین پہ وسعت معلوم
دشت مین ہے مجھے وہ عیش کہ گھر یاد نہین

اہل بینش کو ہے طوفان حوادث مکتب
لطمۂ موج کم از سیلی استاد نہین

واے محرومی تسلیم و بدا حال وفا
جانتا ہے کہ ہمین طاقت فریاد نہین

رنگ تمکین گل و لالہ پریشان کیون ہے
گر چراغان سر رہگذر باد نہین

سبد گل کے تلے بند کرے ہے گلچین
مژدہ اے مرغ کہ گلزار مین صیاد نہین

[illegible]

[illegible]

غلطی ہائے مضامین مت پوچھ
لوگ نالے کو رسا باندھتے ہیں
اہل تدبیر کی واماندگیاں
آبلوں پر بھی حنا باندھتے ہیں
سادہ پرکار ہیں خوباں غالب
ہم سے پیمان وفا باندھتے ہیں

زمانہ سخت کم آزار ہے بجان اسد
وگرنہ ہم تو توقع زیادہ رکھتے ہیں

ترے جواہر طرف کلہ کو کیا دیکھیں
ہم اوج طالع لعل و گہر کو دیکھتے ہیں

نہیں کہ مجھ کو قیامت کا اعتقاد نہیں
شب فراق سے روز جزا زیاد نہیں

کوئی کہے کہ شب مے میں کیا برائی ہے
بلا سے آج اگر دن کو ابر و باد نہیں

جو آؤں سامنے ان کے تو مرحبا نہ کہیں
جو جاؤں واں سے کہیں کو تو خیر باد نہیں

کبھی جو یاد بھی آتا ہوں میں تو کہتے ہیں
کہ آج بزم میں کچھ فتنہ و فساد نہیں

علاوہ عید کے ملتی ہے اور دن بھی شراب
گدائے کوچۂ مے خانہ نامراد نہیں

جہان میں ہو غم و شادی بہم ہمیں کیا کام
دیا ہے ہم کو خدا نے وہ دل کہ شاد نہیں

تم ان کے وعدے کا ذکر ان سے کیوں کرو غالب
یہ کیا کہ تم کہو اور وہ کہیں کہ یاد نہیں

ردیف ن

دائم پڑا ہوا ترے در پر نہیں ہوں میں
خاک ایسی زندگی پہ کہ پتھر نہیں ہوں میں
کیوں گردش مدام سے گھبرا نہ جائے دل
انسان ہوں پیالہ و ساغر نہیں ہوں میں
یارب زمانہ مجھ کو مٹاتا ہے کس لیے
لوح جہاں پہ حرف مکرر نہیں ہوں میں
حد چاہیے سزا میں عقوبت کے واسطے
آخر گناہگار ہوں کافر نہیں ہوں میں
کس واسطے عزیز نہیں جانتے مجھے
لعل و زمرد و زر و گوہر نہیں ہوں میں
رکھتے ہو تم قدم مری آنکھوں سے کیوں دریغ
رتبے میں مہر و ماہ سے کمتر نہیں ہوں میں
کرتے ہو مجھ کو منع قدم بوس کس لیے
کیا آسمان کے بھی برابر نہیں ہوں میں
غالب وظیفہ خوار ہو دو شاہ کو دعا
وہ دن گئے کہ کہتے تھے نوکر نہیں ہوں میں

ترے توسن کو صبا باندھتے ہیں
ہم بھی مضمون کی ہوا باندھتے ہیں

آہ کا کس نے اثر دیکھا ہے
ہم بھی اک اپنی ہوا باندھتے ہیں

تیری فرصت کے مقابل اے عمر
برق کو پا بہ حنا باندھتے ہیں

قید ہستی سے رہائی معلوم
اشک کو بے سر و پا باندھتے ہیں

نشۂ رنگ سے ہے واشد گل
مست کب بند قبا باندھتے ہیں

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں
یاد تھیں ہم کو بھی رنگا رنگ بزم آرائیاں
لیکن اب نقش و نگار طاق نسیاں ہو گئیں

تھین بنات النعش گردون دن کو پردے مین نہان
شب کو انکے جی مین کیا آئی کہ عریان ہو گئین

قید مین یعقوب نے لی گو نہ یوسف کی خبر
لیکن آنکھین روزن دیوار زندان ہو گئین

سب رقیبون سے ہون ناخوش پر زنان مصر سے
ہے زلیخا خوش کہ محو ماہ کنعان ہو گئین

جوے خون آنکھون سے بہنے دو کہ ہے شام فراق
مین یہ سمجھونگا کہ شمعین دو فروزان ہو گئین

ان پریزادون سے لینگے خلد مین ہم انتقام
قدرت حق سے یہی حورین اگر وان ہو گئین

نیند اسکی ہے دماغ اسکا ہے راتین اسکی ہین
تیری زلفین جسکے بازو پر پریشان ہو گئین

مین چمن مین کیا گیا گویا دبستان کھل گیا
بلبلین سنکر مرے نالے غزلخوان ہو گئین

وہ نگاہین کیون ہوئی جاتی ہین یارب دل کے پار
جو مری کوتاہی قسمت سے مژگان ہو گئین

بسکہ روکا مین نے اور سینے مین ابھرین پے بہ پے
میری آہین بخیۂ چاک گریبان ہو گئین

وان گیا بھی مین تو انکی گالیون کا کیا جواب
یاد تھین جتنی دعائین صرف دربان ہو گئین

جانفزا ہے بادہ جسکے ہاتھ مین جام آگیا
سب لکیرین ہاتھ کی گویا رگ جان ہو گئین

ہم موحد ہین ہمارا کیش ہے ترک رسوم
ملتین جب مٹ گئین اجزاے ایمان ہو گئین

رنج سے خوگر ہوا انسان تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلین مجھپر پڑین اتنی کہ آسان ہو گئین

یون ہی گر روتا رہا غالب تو اے اہل جہان
دیکھنا ان بستیون کو تم کہ ویران ہو گئین

دیوانگی سے دوش پہ زنار بھی نہین
یعنی ہماری جیب مین اک تار بھی نہین

دلکو نیاز حسرت دیدار کر چکے
دیکھا تو ہم مین طاقت دیدار بھی نہین

ملنا ترا اگر نہین آسان تو سہل ہے
دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہین

بے عشق عمر کٹ نہین سکتی ہے اور یان
طاقت بقدر لذت آزار بھی نہین

شوریدگی کے ہاتھ سے ہے سر وبال دوش
صحرا مین اے خدا کوئی دیوار بھی نہین

گنجائش عداوت اغیار یکطرف
یان دل مین ضعف سے ہوس یار بھی نہین

ڈر نالہاے زار سے میرے خدا کو مان
آخر نواے مرغ گرفتار بھی نہین

دل مین ہے یار کی صف مژگان سے روکشی
حالانکہ طاقت خلش خار بھی نہین

اس سادگی پہ کون نہ مرجاے اے خدا
لڑتے ہین اور ہاتھ مین تلوار بھی نہین

دیکھا اسد کو خلوت و جلوت مین بارہا
دیوانہ گر نہین ہے تو ہشیار بھی نہین

[illegible]

نکوہش مانع بے ربطی شور جنون آئی — ہوا ہی خندۂ احباب بخیہ جیب و دامن مین

ہوی اوس مہروش کے جلوۂ تمثال کے آگے — پر افشان جوہر آئینہ مین مثل ذرہ روزن مین

نجانون نیک ہون یا بد ہون پر صحبت مخالف ہے — جو گل ہون تو ہون گلخن مین جو خس ہون تو ہون گلشن مین

ہزارون دل دیے جوش جنون عشق نے مجکو — سیہ ہو کر سویدا ہو گیا ہر قطرہ خون تن مین

اسد زندانی تاثیر الفتہاے خوبان ہون — خم دست نوازش ہو گیا ہے طوق گردن مین

مزہ جہان کا اپنی نظر مین خاک نہین — سواے خون جگر سو جگر مین خاک نہین

مگر غبار ہوے پر ہوا اوڑا لیجاے — وگرنہ تاب و توان بال و پر مین خاک نہین

یہ کس بہشت شمائل کی آمد آمد ہے — کہ غیر جلوۂ گل رہگذر مین خاک نہین

بھلا اوسے نسہی کچھ مجھی کو رحم آتا — اثر مرے نفس بے اثر مین خاک نہین

خیال جلوۂ گل سے خراب ہین میکش — شرابخانہ کی دیوار و در مین خاک نہین

ہوا ہون عشق کی غارتگری سے شرمندہ — سواے حسرت تعمیر گھر مین خاک نہین

ہمارے شعر ہین اب صرف دل لگی کے اسد — کھلا کہ فائدہ عرض ہنر مین خاک نہین

وارستہ اس سے ہیں کہ محبت ہی کیوں نہ ہو
کیجے ہمارے ساتھ عداوت ہی کیوں نہ ہو
چھوڑا نہ مجھ میں ضعف نے رنگ اختلاط کا
ہے دل پہ بار نقش محبت ہی کیوں نہ ہو
ہے مجھ کو تجھ سے تذکرۂ غیر کا گلا
ہرچند بر سبیل شکایت ہی کیوں نہ ہو
پیدا ہوئی ہے کہتے ہیں ہر درد کی دوا
یوں ہو تو چارۂ غم الفت ہی کیوں نہ ہو
ڈالا نہ بیکسی نے کسی سے معاملہ
اپنے سے کھینچتا ہوں خجالت ہی کیوں نہ ہو
ہے آدمی بجائے خود اک محشر خیال
ہم انجمن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو
ہنگامۂ زبونی ہمت ہے انفعال
حاصل نہ کیجے دہر سے عبرت ہی کیوں نہ ہو

میں نے کہا کہ بزم ناز چاہیے غیر سے تہی
سنکے ستم ظریف نے مجھکو اٹھا دیا کہ یوں
مجھسے کہا جو یار نے جاتے ہیں ہوش کس طرح
دیکھکے میری بیخودی چلنے لگی ہوا کہ یوں
کب مجھے کوی یار میں رہنے کی وضع یاد تھی
آئنہ دار بن گئی حیرت نقش پا کہ یوں
گر ترے دل میں ہو خیال وصل میں شوق کا زوال
موج محیط آب میں مارے ہے دست و پا کہ یوں
جو یہ کہے کہ ریختہ کیونکہ ہو رشک فارسی
گفتۂ غالب ایکبار پڑھکے اوسے سنا کہ یوں

باب الواو

حسد سے دل اگر افسردہ ہے گرم تماشا ہو
کہ چشم تنگ شاید کثرت نظارہ سے وا ہو
بقدر حسرت دل چاہیے ذوق معاصی بھی
بھروں یک گوشۂ دامن گر آب ہفت دریا ہو
اگر وہ سرو قد گرم خرام ناز آجاوے
کف ہر خاک گلشن شکل قمری نالہ فرسا ہو

کعبہ میں جا رہا تو نہ دو طعنہ کیا کہیں
بھولا ہوں حق صحبت اہل کنشت کو
طاعت میں تا رہے نہ مے و انگبیں کی لاگ
دوزخ میں ڈالدو کوئی لیکر بہشت کو
ہوں منحرف نہ کیوں رہ و رسم ثواب سے
ٹیڑھا لگا ہے قط قلم سرنوشت کو
غالب کچھ اپنی سعی سے لہنا نہیں مجھے
خرمن جلے اگر نہ ملخ کھاے کشت کو

[illegible]

ہے مشتمل نمودِ صور پر وجودِ بحر
یاں کیا دھرا ہے قطرہ و موج و حباب میں

شرم اک ادائے ناز ہے اپنے ہی سے سہی
ہیں کتنے بے حجاب کہ ہیں یوں حجاب میں

آرائشِ جمال سے فارغ نہیں ہنوز
پیشِ نظر ہے آئنہ دائم نقاب میں

ہے غیبِ غیب جس کو سمجھتے ہیں ہم شہود
ہیں خواب میں ہنوز جو جاگے ہیں خواب میں

غالب ندیمِ دوست سے آتی ہے بوئے دوست
مشغولِ حق ہوں بندگیِ بوتراب میں

ابھی ہم قتل گہ کا دیکھنا آساں سمجھتے ہیں
نہیں دیکھا شناور جوئے خوں میں تیرے توسن کو

ہوا چرچا جو میرے پاؤں کی زنجیر بننے کا
کیا بیتاب کاں میں جنبشِ جوہر نے آہن کو

خوشی کیا کھیت پر میرے اگر سو بار ابر آوے
سمجھتا ہوں کہ ڈھونڈے ہے ابھی سے برق خرمن کو

وفاداری بشرطِ استواری اصل ایماں ہے
مرے بتخانے میں تو کعبہ میں گاڑو برہمن کو

شہادت تھی مری قسمت میں جو دی تھی یہ خو مجھ کو
جہاں تلوار کو دیکھا جھکا دیتا تھا گردن کو

نہ لٹتا دن کو تو کب رات کو یوں بے خبر سوتا
رہا کھٹکا نہ چوری کا دعا دیتا ہوں رہزن کو

سخن کیا کہہ نہیں سکتے کہ جویا ہوں جواہر کے
جگر کیا ہم نہیں رکھتے کہ کھودیں جا کے معدن کو

مرے شاہ سلیماں جاہ سے نسبت نہیں غالب
فریدون و جم و کیخسرو و داراب و بہمن کو

دھوتا ہوں جب میں پینے کو اس سیم تن کے پانو
رکھتا ہے ضد سے کھینچ کے باہر لگن کے پانو

دی سادگی سے جان پڑوں کوہکن کے پانو
ہیہات کیوں نہ ٹوٹ گئے پیرزن کے پانو

بھاگے تھے ہم بہت سو اسی کی سزا ہے یہ
ہو کر اسیر دابتے ہیں راہزن کے پانو

مرہم کی جستجو میں پھرا ہوں جو دور دور
تن سے سوا فگار ہیں اس خستہ تن کے پانو

اللہ رے ذوقِ دشت نوردی کہ بعد مرگ
ہلتے ہیں خود بخود مرے اندر کفن کے پانو

ردیف الواو

ضعف سے نقشِ پئے مور ہے طوقِ گردن
ترے کوچے سے کہاں طاقتِ رم ہے ہم کو

جان کر کیجے تغافل کہ کچھ امید بھی ہو
یہ نگاہِ غلط انداز تو سم ہے ہم کو

رشکِ ہم طرحی و دردِ اثرِ بانگِ حزیں
نالۂ مرغِ سحر تیغِ دو دم ہے ہم کو

سر اڑانے کے جو وعدے کو مکرر چاہا
ہنس کے بولے کہ ترے سر کی قسم ہے ہم کو

دل کے خوں کرنے کی کیا وجہ ولیکن ناچار
پاسِ بے رونقیِ دیدہ اہم ہے ہم کو

تم وہ نازک کہ خموشی کو فغاں کہتے ہو
ہم وہ عاجز کہ تغافل بھی ستم ہے ہم کو

لکھنؤ آنے کا باعث نہیں کھلتا یعنی
ہوسِ سیر و تماشا سو وہ کم ہے ہم کو

تمہیں کہو کہ گزارا صنم پرستوں کا
بتوں کی ہو اگر ایسی ہی خو تو کیونکر ہو

الجھتے ہو تم اگر دیکھتے ہو آئینہ
جو تم سے شہر میں ہوں ایک دو تو کیونکر ہو

جسے نصیب ہو روز سیاہ میرا سا
وہ شخص دن نہ کہے رات کو تو کیونکر ہو

ہمیں پھر ان سے امید اور انہیں ہماری قدر
ہماری بات ہی پوچھیں نہ وہ تو کیونکر ہو

غلط نہ تھا ہمیں خط پر گماں تسلی کا
نہ مانے دیدۂ دیدار جو تو کیونکر ہو

بتاؤ اس مژہ کو دیکھکر کہ مجھکو قرار
یہ نیش ہو رگ جاں میں فرو تو کیونکر ہو

مجھے جنوں نہیں غالب ولے بقول حضور
فراق یار میں تسکین ہو تو کیونکر ہو

مقطع سلسلۂ شوق نہیں ہے یہ شہر	عزم سیر نجف و طوف حرم ہے ہمکو

لیے جاتی ہے کہیں ایک توقع غالب
جادۂ رہ کشش کاف کرم ہے ہمکو

تم جاؤ تمکو غیر سے جو رسم و راہ ہو	مجھکو بھی پوچھتے رہو تو کیا گناہ ہو
بچتے نہیں مواخذۂ روز حشر سے	قاتل اگر رقیب ہے تو تم گواہ ہو
کیا وہ بھی بیگنہ کش و حق ناسپاس ہیں	مانا کہ تم بشر نہیں خورشید و ماہ ہو
ابھرا ہوا نقاب میں ہے انکے ایک تار	مرتا ہوں میں کہ یہ نہ کسی کی نگاہ ہو
جب میکدہ چھٹا تو پھر اب کیا جگہ کی قید	مسجد ہو مدرسہ ہو کوئی خانقاہ ہو
سنتے ہیں جو بہشت کی تعریف سب درست	لیکن خدا کرے وہ ترا جلوہ گاہ ہو

غالب بھی گر نہو تو کچھ ایسا ضرر نہیں
دنیا ہو یا رب اور مرا بادشاہ ہو

گئی وہ بات کہ ہو گفتگو تو کیونکر ہو	کہے سے کچھ نہوا پھر کہو تو کیونکر ہو
ہماری ذہن میں اس فکر کا ہے نام وصال	کہ گر نہو تو کہاں جائیں ہو تو کیونکر ہو
ادب ہے اور یہی کشمکش تو کیا کیجے	حیا ہے اور یہی گومگو تو کیونکر ہو

ردیف ی

کسی کو دیکے دل کوئی نوا سنج فغاں کیوں ہو
نہ ہو جب دل ہی سینے میں تو پھر منہ میں زباں کیوں ہو

وہ اپنی خو نہ چھوڑینگے ہم اپنی وضع کیوں بدلیں
سبک سر بنکے کیا پوچھیں کہ ہم سے سرگراں کیوں ہو

کیا غمخوار نے رسوا لگے آگ اس محبت کو
نہ لاوے تاب جو غم کی وہ میرا رازداں کیوں ہو

وفا کیسی کہاں کا عشق جب سر پھوڑنا ٹھہرا
تو پھر اے سنگدل تیرا ہی سنگ آستاں کیوں ہو

قفس میں مجھ سے روداد چمن کہتے نہ ڈر ہمدم
گری ہے جس پہ کل بجلی وہ میرا آشیاں کیوں ہو

یہ کہہ سکتے ہو ہم دل میں نہیں ہیں پر یہ بتلاؤ
کہ جب دل میں تمہیں تم ہو تو آنکھوں سے نہاں کیوں ہو

غلط ہے جذب دل کا شکوہ دیکھو جرم کس کا ہے
نہ کھینچو گر تم اپنے کو کشاکش درمیاں کیوں ہو

یہ فتنہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے
ہوئے تم دوست جس کے دشمن اسکا آسماں کیوں ہو

یہی ہے آزمانا تو ستانا کس کو کہتے ہیں
عدو کے ہو لیے جب تم تو میرا امتحاں کیوں ہو

کہا تم نے کہ کیوں ہو غیر کے ملنے میں رسوائی
بجا کہتے ہو سچ کہتے ہو پھر کہیو کہ ہاں کیوں ہو

نکالا چاہتا ہے کام کیا طعنوں سے تو غالب
ترے بے مہر کہنے سے وہ تجھ پر مہرباں کیوں ہو

[illegible]

یہ فتنہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے	ہوئے تم دوست جسکے دشمن اوسکا آسمان کیون ہو
یہی ہے آزمانا تو ستانا کسکو کہتے ہین	عدو کے ہولیے جب تم تو میرا امتحان کیون ہو
کہا تمنے کہ کیون ہو غیر کے ملنے مین رسوائی	بجا کہتے ہو سچ کہتے ہو پھر کہیو کہ ہان کیون ہو

نکالا چاہتا ہے کام کیا طعنون سے تو غالب
ترے بے مہر کہنے سے وہ تجھپر مہربان کیون ہو

رہیے اب ایسی جگہ چلکر جہان کوئی نہو	ہم سخن کوئی نہو اور ہم زبان کوئی نہو
بے در و دیوار سا اک گھر بنایا چاہیے	کوئی ہمسایہ نہو اور پاسبان کوئی نہو
پڑیے گر بیمار تو کوئی نہو بیماردار	اور اگر مر جائیے تو نوحہ خوان کوئی نہو

باب الہاء

از مہر تا بہ ذرہ دل و دل ہے آئنہ	طوطی کو شش جہت سے مقابل ہے آئنہ
ہے سبزہ زار ہر در و دیوار غمکدہ	جسکی بہار یہ ہو پھر اوسکی خزان نہ پوچھ
ناچار بیکسی کی بھی حسرت اوٹھائیے	دشواری رہ و ستم ہمرہان نہ پوچھ

باب الیاء

صد جلوہ رو برو ہے جو مژگان اوٹھائیے	طاقت کہان کہ دید کا احسان اوٹھائیے

عاشق ہوئے ہین آپ بھی ایک اور شخص پر
آخر ستم کی کچھ تو مکافات چاہیے
دے داد اے فلک دل حسرت پرست کی
ہان کچھ نہ کچھ تلافی مافات چاہیے
سیکھے ہین مہ رخون کے لیے ہم مصوری
تقریب کچھ تو بہر ملاقات چاہیے
مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو
اک گونہ بیخودی مجھے دن رات چاہیے
ہے رنگ لالہ و گل و نسرین جدا جدا
ہر رنگ مین بہار کا اثبات چاہیے
سر پاے خم پہ چاہیے ہنگام بیخودی
رو سوے قبلہ وقت مناجات چاہیے
یعنی بحسب گردش پیمانۂ صفات
عارف ہمیشہ مست مے ذات چاہیے
نشو و نما ہے اصل سے غالب فروع کو
خاموشی ہی سے نکلے ہے جو بات چاہیے

[illegible]

خیالِ مرگ کب تسکیں دلِ آزردہ کو بخشے
مرے دامِ تمنا میں ہے اک صیدِ زبوں وہ بھی

نہ کرتا کاش نالہ مجھ کو کیا معلوم تھا ہمدم
کہ ہوگا باعثِ افزائشِ دردِ دروں وہ بھی

نہ اتنا بُرّشِ تیغِ جفا پر ناز فرماؤ
مرے دریائے بیتابی میں ہے اک موجِ خوں وہ بھی

مئے عشرت کی خواہش ساقیِ گردوں سے کیا کیجے
لیے بیٹھا ہے اک دو چار جامِ واژگوں وہ بھی

مرے دل میں ہے غالب شوقِ وصل و شکوۂ ہجراں
خدا وہ دن کرے جو اس سے میں یہ بھی کہوں وہ بھی

ہے بزمِ بتاں میں سخن آزردہ لبوں سے
تنگ آئے ہیں ہم ایسے خوشامد طلبوں سے

ہے دورِ قدح وجہِ پریشانیِ صہبا
یکبار لگا دو خمِ مے میرے لبوں سے

رندانِ درِ میکدہ گستاخ ہیں زاہد
زنہار نہ ہونا طرف ان بے ادبوں سے

بیدادِ وفا دیکھ کہ جاتی رہی آخر
ہر چند مری جان کو تھا ربط لبوں سے

تا ہم کو شکایت کی بھی باقی نہ رہے جا
سن لیتے ہیں گو ذکر ہمارا نہیں کرتے

غالب ترا احوال سنا دینگے ہم انکو
وہ سنکے بلا لیں یہ اجارا نہیں کرتے

[illegible]

کیا خوب تم نے غیر کو بوسہ نہیں دیا
بس چپ رہو ہمارے بھی منہ میں زبان ہے

بیٹھا ہے جو کہ سایۂ دیوار یار میں
فرمانروائے کشور ہندوستان ہے

ہستی کا اعتبار بھی غم نے مٹا دیا
کس سے کہوں کہ داغ جگر کا نشان ہے

ہے بارے اعتماد وفاداری اس قدر
غالب ہم اس میں خوش ہیں کہ نامہربان ہے

درد سے میرے ہے تجھکو بیقراری ہائے ہائے
کیا ہوئی ظالم تری غفلت شعاری ہائے ہائے

تیرے دل میں گر نہ تھا آشوب غم کا حوصلہ
تو نے پھر کیوں کی تھی میری غمگساری ہائے ہائے

کیوں مری غمخوارگی کا تجھکو آیا تھا خیال
دشمنی اپنی تھی میری دوستداری ہائے ہائے

عمر بھر کا تو نے پیمان وفا باندھا تو کیا
عمر کو بھی تو نہیں ہے پائداری ہائے ہائے

زہر لگتی ہے مجھے آب و ہوائے زندگی
یعنی تجھ سے تھی اسے ناسازگاری ہائے ہائے

گلفشانیہائے ناز جلوہ کو کیا ہو گیا
خاک پر ہوتی ہے تیری لالہ کاری ہائے ہائے

شرم رسوائی سے جا چھپنا نقاب خاک میں
ختم ہے الفت کی تجھ پر پردہ داری ہائے ہائے

خاک میں ناموس پیمان محبت مل گئی
اٹھ گئی دنیا سے راہ و رسم یاری ہائے ہائے

ہاتھ ہی تیغ آزما کا کام سے جاتا رہا
دل پہ اک لگنے نہ پایا زخم کاری ہائے ہائے

[illegible]

دل لگی کی آرزو بے چین رکھتی ہے ہمیں
ورنہ یاں بے رونقی سودِ چراغِ کشتہ ہے

[illegible]

وحشت پہ میری عرصۂ آفاق تنگ تھا		دریا زمین کو عرقِ انفعال ہے

هستی کے مت فریب میں آجائیو اسد
عالم تمام حلقۂ دامِ خیال ہے

تم اپنے شکوہ کی باتیں نہ کھود کھود کے پوچھو		حذر کرو مرے دل سے کہ اسمیں آگ دبی ہے

دلا یہ درد و الم بھی تو مغتنم ہے کہ آخر
نہ گریۂ سحری ہے نہ آہِ نیم شبی ہے

ایکجا حرفِ وفا لکھا تھا سو بھی مٹ گیا		ظاہرا کاغذ ترے خط کا غلط بردار ہے
جی جلے ذوقِ فنا کی ناتمامی پر نہ کیوں		ہم نہیں جلتے نفس ہر چند آتشبار ہے
آگ سے پانی میں بجھتے وقت اوٹھتی ہے صدا		ہر کوئی درماندگی میں نالہ سے ناچار ہے
ہے وہی بدمستیِ ہر ذرہ کا خود عذرخواہ		جسکے جلوہ سے زمین تا آسمان سرشار ہے
مجھسے مت کہہ تو ہمیں کہتا تھا اپنی زندگی		زندگی سے بھی مرا جی ان دنوں بیزار ہے
آنکھ کی تصویر سرنامہ پہ کھینچی ہے کہ تا		تجھپہ کھلجاوے کہ اسکو حسرتِ دیدار ہے
بینش میں گرتے ہیں جو کو چہ سے وہ میرے		کندھا بھی کہاروں کو بدلنے نہیں دیتے
مری ہستی فضائے حیرت آبادِ تمنا ہے		جسے کہتے ہیں نالہ وہ اسی عالم کا عنقا ہے

چشمِ خوباں خامشی میں بھی نوا پرداز ہے
سرمہ تو کہوے کہ دودِ شعلۂ آواز ہے

پیکرِ عشاق سازِ طالعِ ناساز ہے
نالہ گویا گردشِ سیارہ کی آواز ہے

ردیف الیا

[illegible]

قطع کیجے نہ تعلق ہم سے
کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سہی

[illegible]

ہم بھی دشمن تو نہیں ہیں اپنے
غیر کو تجھ سے محبت ہی سہی

اپنی ہستی ہی سے ہو جو کچھ ہو
آگہی گر نہیں غفلت ہی سہی

عمر ہر چند کہ ہے برق خرام
دل کے خون کرنے کی فرصت ہی سہی

رکھتا پھرون ہون خرقہ و سجادہ رہن مے
مدت ہوئی ہے دعوت آب و ہوا کیے
بے صرفہ ہی گذرتی ہے ہو گرچہ عمر خضر
حضرت بھی کل کہینگے کہ ہم کیا کیا کیے
مقدور ہو تو خاک سے پوچھون کہ اے لئیم
تو نے وہ گنج ہاے گرانمایہ کیا کیے
کس روز تہمتین نہ تراشا کیے عدو
کس دن ہمارے سر پہ نہ آرے چلا کیے
صحبت مین غیر کی نہ پڑی ہو کہین یہ خو
دینے لگا ہے بوسہ بغیر التجا کیے
ضد کی ہے اور بات مگر خو بری نہین
بھولے سے اوسنے سیکڑون وعدے وفا کیے
غالب تمہین کہو کہ ملیگا جواب کیا
مانا کہ تم کہا کیے اور وہ سنا کیے

ہم کوئی ترک وفا کرتے ہین
نہ سہی عشق مصیبت ہی سہی
کچھ تو دے اے فلک نا انصاف
آہ و فریاد کی رخصت ہی سہی
ہم بھی تسلیم کی خو ڈالین گے
بے نیازی تری عادت ہی سہی
یار سے چھیڑ چلی جاے اسد
گر نہین وصل تو حسرت ہی سہی

ہے آرمیدگی مین نکوہش بجا مجھے
صبح وطن ہے خندۂ دندان نما مجھے
ڈھونڈھے ہے اوس مغنی آتش نفس کو جی
جسکی صدا ہو جلوۂ برق فنا مجھے
مستانہ طے کرون ہون رہ وادی خیال
تا بازگشت سے نہ رہے مدعا مجھے
کرتا ہے بسکہ باغ مین تو بیحجابیان
آنے لگی ہے نکہت گل سے حیا مجھے
کھلتا کسی پہ کیون مرے دل کا معاملہ
شعرون کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے

زندگی اپنی جب اس شکل سے گذری غالب
ہم بھی کیا یاد کرینگے کہ خدا رکھتے تھے
اوس بزم مین مجھے نہین بنتی حیا کیے
بیٹھا رہا اگرچہ اشارے ہوا کیے
دل ہی تو ہی سیاست دربان سے ڈر گیا
مین اور جاؤن در سے ترے بن صدا کیے

ردیف الیاے

رفتار عمر قطع رہ اضطراب ہے
اس سال کے حساب کو برق آفتاب ہے
مینائے مے ہے سرو نشاط بہار سے
بال تدرو جلوۂ موج شراب ہے
زخمی ہوا ہے پاشنہ پاے ثبات کا
نے بھاگنے کی گون نہ اقامت کی تاب ہے
جاداد بادہ نوشی رندان ہے شش جہت
غافل گمان کرے ہے کہ گیتی خراب ہے
نظارہ کیا حریف ہو اوس برق حسن کا
جوش بہار جلوہ کو جسکے نقاب ہے
مین نامراد دل کی تسلی کو کیا کرون
مانا کہ تیرے رخ سے نگہ کامیاب ہے
گذرا اسد مسرت پیغام یار سے
قاصد پہ مجھکو رشک سوال و جواب ہے

[illegible]

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اوس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

ردیف [illegible]

دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پہ رشک آجائے ہے
میں اوسے دیکھوں بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے

ہاتھ دھو دل سے یہی گرمی گر اندیشے میں ہے
آبگینہ تندی صہبا سے پگھلا جائے ہے

غیر کو یارب وہ کیونکر منع گستاخی کرے
گر حیا بھی اوسکو آتی ہے تو شرما جائے ہے

شوق کو یہ لت کہ ہر دم نالہ کھینچے جائیے
دل کی وہ حالت کہ دم لینے سے گھبرا جائے ہے

دور چشم بد تری بزم طرب سے واہ واہ
نغمہ ہو جاتا ہے واں گر نالہ میرا جائے ہے

گرچہ ہے طرز تغافل پردہ دار راز عشق
پر ہم ایسے کھوئے جاتے ہیں کہ وہ پا جائے ہے

اوسکی بزم آرائیاں سنکر دل رنجور یاں
مثل نقش مدعائے غیر بیٹھا جائے ہے

ہو کے عاشق وہ پری رخ اور نازک بن گیا
رنگ کھلتا جائے ہے جتنا کہ اوڑتا جائے ہے

نقش کو اوسکے مصور پر بھی کیا کیا ناز ہیں
کھینچتا ہے جسقدر اوتنا ہی کھنچتا جائے ہے

سایہ میرا مجھسے مثل دود بھاگے ہے اسد
پاس مجھ آتش بجاں کے کس سے ٹھہرا جائے ہے

گرم فریاد رکھا شکل نہالی نے مجھے
تب اماں ہجر میں دی برد لیالی نے مجھے

نسیہ و نقد دو عالم کی حقیقت معلوم
لے لیا مجھسے مری ہمت عالی نے مجھے

کثرت آرائی وحدت ہے پرستاری وہم
کر دیا کافر ان اصنام خیالی نے مجھے

[illegible]

وہ بادۂ شبانہ کی سرمستیاں کہاں	اوٹھیے بس اب کہ لذتِ خوابِ سحر گئی
اوڑتی پھری ہے خاک مری کوے یار مین	بارے اب اے ہوا ہوسِ بال و پر گئی
دیکھو تو دلفریبیِ اندازِ نقشِ پا	موجِ خرامِ یار بھی کیا گل کتر گئی
ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی	اب آبروے شیوۂ اہلِ نظر گئی
نظارہ نے بھی کام کیا وان نقاب کا	مستی سے ہر نگہ ترے رخ پر بکھر گئی
فردا و دی کا تفرقہ یکبار مٹ گیا	کل تم گئے کہ ہم پہ قیامت گزر گئی

مارا زمانہ نے اسد اللہ خان تمہین
وہ ولولے کہان وہ جوانی کدھر گئی

تسکین کو ہم نہ روئین جو ذوقِ نظر ملے	حورانِ خلد مین تری صورت اگر ملے
اپنی گلی مین مجھکو نہ کر دفن بعدِ قتل	میرے پتے سے خلق کو کیون تیرا گھر ملے
ساقی گری کی شرم کرو آج ورنہ ہم	ہر شب پیا ہی کرتے ہین مے جسقدر ملے
تجھسے تو کچھ کلام نہین لیکن اے ندیم	میرا سلام کہیو اگر نامہ بر ملے
تمکو بھی ہم دکھائین کہ مجنون نے کیا کیا	فرصت کشاکشِ غمِ پنہان سے گر ملے
لازم نہین کہ خضر کی ہم پیروی کرین	جانا کہ اک بزرگ ہمین ہمسفر ملے

دیوانِ غالب

کوئی امید بر نہین آتی
کوئی صورت نظر نہین آتی
موت کا ایک دن معین ہے
نیند کیون رات بھر نہین آتی
آگے آتی تھی حالِ دل پہ ہنسی

داغِ دل گر نظر نہین آتا
بو بھی اے چارہ گر نہین آتی
کیون نہ چیخون کہ یاد کرتے ہین
میری آواز گر نہین آتی

ہم وہان ہین جہان سے ہمکو بھی	کچھ ہماری خبر نہین آتی
مرتے ہین آرزو مین مرنے کی	موت آتی ہے پر نہین آتی

کعبہ کس منہ سے جاؤ گے غالب
شرم تمکو مگر نہین آتی

دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے	آخر اس درد کی دوا کیا ہے
ہم ہین مشتاق اور وہ بیزار	یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے
مین بھی منہ مین زبان رکھتا ہون	کاش پوچھو کہ مدعا کیا ہے
جبکہ تجھ بن نہین کوئی موجود	پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے
یہ پری چہرہ لوگ کیسے ہین	غمزہ و عشوہ و ادا کیا ہے
شکنِ زلفِ عنبرین کیون ہے	نگہ چشم سرمہ سا کیا ہے
سبزہ و گل کہان سے آئے ہین	ابر کیا چیز ہے ہوا کیا ہے
ہمکو ان سے وفا کی ہے امید	جو نہین جانتے وفا کیا ہے
ہان بھلا کر ترا بھلا ہوگا	اور درویش کی صدا کیا ہے
جان تم پر نثار کرتا ہون	مین نہین جانتا دعا کیا ہے

[illegible]

وہی صد رنگ نالہ فرسائی	وہی صد گونہ اشکباری ہے
دل ہوائے خرام ناز سے پھر	محشرستان بیقراری ہے
جلوہ پھر عرض ناز کرتا ہے	روز بازار جان سپاری ہے
پھر اوسی بیوفا پہ مرتے ہین	پھر وہی زندگی ہماری ہے

قطعہ

پھر کھلا ہے در عدالت ناز	گرم بازار فوجداری ہے
ہو رہا ہے جہان مین اندھیر	زلف کی پھر سرشتہ داری ہے
پھر دیا پارہ جگر نے سوال	ایک فریاد و آہ وزاری ہے
پھر ہوئے ہین گواہ عشق طلب	اشکباری کا حکم جاری ہے
دل و مژگان کا جو مقدمہ تھا	آج پھر اوسکی روبکاری ہے

بیخودی بے سبب نہین غالب
کچھ تو ہے جسکی پردہ داری ہے

جنون تہمت کش تسکین نہو گر شادمانی کی	نمکپاش خراش دل ہے لذت زندگانی کی
کشاکشہای ہستی سے کرے کیا سعی آزادی	ہوئی زنجیر موج آب کو فرصت روانی کی

ردیف یای مجہول

بے اعتدالیون سے سبک سب مین ہم ہوئے
جتنے زیادہ ہو گئے اوتنے ہی کم ہوئے
پنہان تھا دام سخت قریب آشیان کے
اوڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے
ہستی ہماری اپنی فنا پر دلیل ہے
یانتک مٹے کہ آپ ہم اپنی قسم ہوئے
سختی کشان عشق کی پوچھے ہے کیا خبر
وہ لوگ رفتہ رفتہ سراپا الم ہوئے
تیری وفا سے کیا ہو تلافی کہ دہر مین
تیرے سوا بھی ہم پہ بہت سے ستم ہوئے
لکھتے رہے جنون کی حکایات خونچکان
ہرچند اسمین ہاتھ ہمارے قلم ہوئے
اللہ ری تیری تندی خو جسکے بیم سے
اجزائے نالہ دل مین مرے رزق ہم ہوئے
اہل ہوس کی فتح ہے ترک نبرد عشق
جو پانو اوٹھ گئے وہی اونکے علم ہوئے

تا لے عدم میں چند ہمارے سپرد تھے
جو واں نہ کھنچ سکے سو وہ یاں آکے دم ہوئے

چھوڑی اسد نہ ہم نے گدائی میں دل لگی
سائل ہوئے تو عاشقِ اہلِ کرم ہوئے

جو نہ نقدِ داغِ دل کی کرے شعلہ پاسبانی
تو فسردگی نہاں ہے بہ کمینِ بے زبانی

مجھے اوس سے کیا توقع بزمانۂ جوانی
کبھی کودکی میں جسنے نہ سنی مری کہانی

یون ہی دکھ کسی کو دینا نہیں خوب ورنہ کہتا
کہ مرے عدو کو یارب ملے میری زندگانی

ظلمت کدہ میں میرے شبِ غم کا جوش ہے
اک شمع ہے دلیلِ سحر سو خموش ہے

نے مژدۂ وصال نہ نظارۂ جمال
مدت ہوئی کہ آشتیِ چشم و گوش ہے

مے نے کیا ہے حسنِ خود آرا کو بے حجاب
ای شوق یاں اجازتِ تسلیمِ ہوش ہے

گوہر کو عقدِ گردنِ خوبان مین دیکھنا
کیا اوج پر ستارۂ گوہر فروش ہے

دیدار بادہ حوصلہ ساقی نگاہ مست
بزمِ خیال میکدۂ بے خروش ہے

قطعہ

ای تازہ واردانِ بساطِ ہوای دل
زنہار اگر تمہین ہوسِ نای و نوش ہے

دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو
میری سنو جو گوشِ نصیحت نیوش ہے

ساقی بجلوہ دشمنِ ایمان و آگہی
مطرب بنغمہ رہزنِ تمکین و ہوش ہے

یا شب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشۂ بساط
دامانِ باغبان و کفِ گل فروش ہے

لطفِ خرامِ ساقی و ذوقِ صدای چنگ
یہ جنتِ نگاہ وہ فردوسِ گوش ہے

یا صبحدم جو دیکھیے آکر تو بزم مین
نے وہ سرور و سوز نہ جوش و خروش ہے

داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے

آتے ہین غیب سے یہ مضامین خیال مین
غالب صریرِ خامہ نوای سروش ہے

آ کہ مری جان کو قرار نہین ہے
طاقتِ بیدادِ انتظار نہین ہے

دیتے ہین جنت حیاتِ دہر کے بدلے
نشہ باندازۂ خمار نہین ہے

گریہ نکالے ہے تیری بزم سے مجھ کو
ہای کہ رونے پہ اختیار نہین ہے

ہم سے عبث ہے گمانِ رنجشِ خاطر
خاک مین عشاق کی غبار نہین ہے

دل سے اوٹھا لطفِ جلوہ ہای معانی
غیرِ گل آئینۂ بہار نہین ہے

قتل کا میرے کیا ہے عہد تو بارے
وای اگر عہد استوار نہین ہے

تو نے قسم میکشی کی کھائی ہے غالب
تیری قسم کا کچھ اعتبار نہین ہے

مرجاؤن نہ کیون رشک سے جب وہ تن نازک
آغوش خم حلقۂ زنار مین آوے
غارتگر ناموس نہ ہو گر ہوس زر
کیون شاہد گل باغ سے بازار مین آوے
تب چاک گریبان کا مزا ہے دل نالان
جب اک نفس الجھا ہوا ہر تار مین آوے
آتشکدہ ہے سینہ مرا راز نہان سے
اے وائے اگر معرض اظہار مین آوے
گنجینۂ معنی کا طلسم اوسکو سمجھیے
جو لفظ کہ غالب مرے اشعار مین آوے

ہے ہجوم غم سے یانتک سرنگونی مجکو حاصل ہے
کہ تار دامن و تار نظر مین فرق مشکل ہے
رفوی زخم سے مطلب ہے لذت زخم سوزن کی
سمجھیو مت کہ پاس درد سے دیوانہ غافل ہے

وہ گل جس گلستان مین جلوہ فرمائی کرے غالب
چٹکنا غنچۂ گل کا صدائے خندۂ دل ہے

پا بدامن ہو رہا ہون بسکہ مین صحرا نورد
خار پا ہین جوہر آئینۂ زانو مجھے
دیکھنا حالت مرے دلکی ہم آغوشی کے وقت
ہے نگاہ آشنا تیرا سر ہر مو مجھے

ہون سراپا ساز آہنگ شکایت کچھ نہ پوچھ
ہے یہی بہتر کہ لوگون مین نہ چھیڑے تو مجھے

جس بزم مین تو ناز سے گفتار مین آوے
جان کالبد صورت دیوار مین آوے
سایہ کی طرح ساتھ پھرین سرو صنوبر
تو اوس قد دلکش سے جو گلزار مین آوے
تب ناز گرانمایگی اشک بجا ہے
جب لخت جگر دیدۂ خونبار مین آوے
دے مجکو شکایت کی اجازت کہ ستمگر
کچھ تجکو مزا بھی مرے آزار مین آوے
اوس چشم فسونگر کا اگر پاے اشارا
طوطی کی طرح آئنہ گفتار مین آوے
کانٹون کی زبان سوکھ گئی پیاس سے یارب
اک آبلہ پا وادی پرخار مین آوے

حسن مہ گرچہ بہنگام کمال اچھا ہے
اوس سے میرا مہ خورشید جمال اچھا ہے
بوسہ دیتے نہین اور دل پہ ہے ہر لحظہ نگاہ
جی مین کہتے ہین کہ مفت آئے تو مال اچھا ہے
اور بازار سے لے آئے اگر ٹوٹ گیا
ساغر جم سے مرا جام سفال اچھا ہے
بے طلب دین تو مزا اوس مین سوا ملتا ہے
وہ گدا جسکو نہو خوے سوال اچھا ہے
اونکے دیکھے سے جو آجاتی ہے منہ پر رونق
وہ سمجھتے ہین کہ بیمار کا حال اچھا ہے
دیکھئے پاتے ہین عشاق بتون سے کیا فیض
اک برہمن نے کہا ہے کہ یہ سال اچھا ہے
ہم سخن تیشہ نے فرہاد کو شیرین سے کیا
جس طرح کا کہ کسی مین ہو کمال اچھا ہے
قطرہ دریا مین جو مل جائے تو دریا ہو جائے
کام اچھا ہے وہ جسکا کہ مآل اچھا ہے
خضر سلطان کو رکھے خالق اکبر سرسبز
شاہ کے باغ مین یہ تازہ نہال اچھا ہے

[illegible]

ہمکو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن
دل کے خوش رکھنے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

نہوئی گر مرے مرنے سے تسلی نہ سہی
امتحاں اور بھی باقی ہو تو یہ بھی نہ سہی
خار خار الم حسرت دیدار تو ہے
شوق گلچین گلستان تسلی نہ سہی
مے پرستان خم مے منہ سے لگاتے ہی بنی
ایکدن گر نہوا بزم میں ساقی نہ سہی
نفس قیس کہ ہے چشم و چراغ صحرا
گر نہیں شمع سیہ خانہ لیلی نہ سہی
ایک ہنگامہ پہ موقوف ہے گھر کی رونق
نوحۂ غم ہی سہی نغمۂ شادی نہ سہی
نہ ستائش کی تمنا نہ صلے کی پروا
گر نہیں ہیں مرے اشعار میں معنی نہ سہی
عشرت صحبت خوباں ہی غنیمت سمجھو
نہوئی غالب اگر عمر طبیعی نہ سہی

عجب نشاط سے جلاد کے چلے ہیں ہم آگے
کہ اپنے سایہ سے سر پانوں سے ہے دو قدم آگے
قضا نے تھا مجھے چاہا خراب بادۂ الفت
فقط خراب لکھا بس نہ چل سکا قلم آگے
غم زمانہ نے جھاڑی نشاط عشق کی مستی
وگرنہ ہم بھی اٹھاتے تھے لذت الم آگے
خدا کے واسطے داد اس جنون شوق کی دینا
کہ اوسکے در پہ پہونچتے ہیں نامہ بر سے ہم آگے

شکوہ کے نام سے بے مہر خفا ہوتا ہے
یہ بھی مت کہہ کہ جو کہیے تو گلا ہوتا ہے
پر ہوں میں شکوہ سے یوں راگ سے جیسے باجا
اک ذرا چھیڑیے پھر دیکھیے کیا ہوتا ہے
گو سمجھتا نہیں پر حسن تلافی دیکھو
شکوۂ جور سے سرگرم جفا ہوتا ہے
عشق کی راہ میں ہے چرخ مکوکب کی وہ چال
سست رو جیسے کوئی آبلہ پا ہوتا ہے

دیوان غالب

کیوں نہ ٹھہریں ہدف ناوک بیداد کہ ہم
آپ اٹھا لاتے ہیں گر تیر خطا ہوتا ہے
خوب تھا پہلے سے ہوتے جو ہم اپنے بد خواہ
کہ بھلا چاہتے ہیں اور برا ہوتا ہے
نالہ جاتا تھا پرے عرش سے میرا اور اب
لب تک آتا ہے جو ایسا ہی رسا ہوتا ہے

قطعہ

خامہ میرا کہ وہ ہے باربد بزم سخن
شاہ کی مدح میں یوں نغمہ سرا ہوتا ہے
اے شہنشاہ کواکب سپہ و مہر علم
تیرے اکرام کا حق کس سے ادا ہوتا ہے
سات اقلیم کا حاصل جو فراہم کیجے
تو وہ لشکر کا ترے نعل بہا ہوتا ہے

[illegible]

پھر جسے میں جو یہ بسے ہوتا ہے ملال	آستاں پر ترے مہ ناصیہ سا ہوتا ہے
میں جو گستاخ ہوں آئین غزل خوانی میں	یہ بھی تیرا ہی کرم ذوق فزا ہوتا ہے

رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی میں معاف
آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے	تمہیں کہو کہ یہ انداز گفتگو کیا ہے
نہ شعلے میں یہ کرشمہ نہ برق میں یہ ادا	کوئی بتاؤ کہ وہ شوخ تند خو کیا ہے
یہ رشک ہے کہ وہ ہوتا ہے ہم سخن تم سے	وگرنہ خوف بد آموزی عدو کیا ہے
چپک رہا ہے بدن پر لہو سے پیراہن	ہماری جیب کو اب حاجت رفو کیا ہے
جلا ہے جسم جہاں دل بھی جل گیا ہوگا	کریدتے ہو جو اب راکھ جستجو کیا ہے
رگوں میں دوڑتے پھرنے کے ہم نہیں قائل	جب آنکھ ہی سے نہ ٹپکا تو پھر لہو کیا ہے
وہ چیز جس کے لیے ہم کو ہو بہشت عزیز	سوائے بادۂ گلفام مشکبو کیا ہے
پیوں شراب اگر خم بھی دیکھ لوں دو چار	یہ شیشہ و قدح و کوزہ و سبو کیا ہے
رہی نہ طاقت گفتار اور اگر ہو بھی	تو کس امید پہ کہیے کہ آرزو کیا ہے
ہوا ہے شہ کا مصاحب پھرے ہے اتراتا	وگرنہ شہر میں غالب کی آبرو کیا ہے

عجب ہیں تشنہ لب پیغام کے
خستگی کا تم سے کیا شکوہ کہ یہ
ہتھکنڈے ہیں چرخ نیلی فام کے
خط لکھیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو
ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے
رات پی زمزم پہ مے اور صبح دم
دھوئے دھبے جامۂ احرام کے
دل کو آنکھوں نے پھنسایا کیا مگر
یہ بھی حلقے ہیں تمہارے دام کے
شاہ کی ہے غسل صحت کی خبر
دیکھیے کب دن پھریں حمام کے
عشق نے غالب نکما کر دیا
ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

پھر اس انداز سے بہار آئی
کہ ہوئے مہر و مہ تماشائی
دیکھو اے ساکنان خطۂ خاک
اس کو کہتے ہیں عالم آرائی
کہ زمیں ہو گئی ہے سر تا سر
روکش سطح چرخ مینائی

تو وہ بدخو کہ تحیر کو تماشا جانے
غم وہ افسانہ کہ آشفتہ بیانی مانگے

وہ تپ عشق تمنا ہے کہ پھر صورت شمع
شعلہ تا نبض جگر ریشہ دوانی مانگے

نقش ناز بت طناز بآغوش رقیب
پاے طاؤس پے خامۂ مانی مانگے

[illegible]

گلشن کو تری صحبت ازبسکہ خوش آئی ہے
ہر غنچہ کا گل ہونا آغوش کشائی ہے

واں کنگر استغنا ہر دم ہے بلندی پر
یاں نالے کو اور الٹا دعوائے رسائی ہے

سبزہ کو جب کہیں جگہ نہ ملی
بن گیا روے آب پر کائی

سبزہ و گل کے دیکھنے کے لیے
چشم نرگس کو دی ہے بینائی

ہے ہوا میں شراب کی تاثیر
بادہ نوشی ہے بادپیمائی

کیوں نہ دنیا کو ہو خوشی غالب
شاہ دیندار نے شفا پائی

تغافل دوست ہوں میرا دماغ عجز عالی ہے
اگر پہلو تہی کیجے تو جا میری بھی خالی ہے

رہا آباد عالم اہل ہمت کے نہ ہونے سے
بھرے ہیں جس قدر جام و سبو میخانہ خالی ہے

کب وہ سنتا ہے کہانی میری
اور پھر وہ بھی زبانی میری

خلش غمزۂ خونریز نہ پوچھ
دیکھ خوننابہ فشانی میری

کیا بیاں کر کے مرا روئیں گے یار
مگر آشفتہ بیانی میری

ہوں ز خود رفتۂ بیدائے خیال
بھول جانا ہے نشانی میری

متقابل ہے مقابل میرا
رک گیا دیکھ روانی میری

قدر سنگ سر رہ رکھتا ہوں
سخت ارزاں ہے گرانی میری

گرد باد رہ بیتابی ہوں
صرصر شوق ہے بانی میری

[illegible]

آغوشِ گل کشادہ براے وداع ہے | اے عندلیب چل کہ چلے دن بہار کے
ہے وصل ہجر عالمِ تمکین و ضبط مین | معشوق شوخ و عاشقِ دیوانہ چاہیے

اوس لب سے مل ہی جائیگا بوسہ کبھی تو ہان
شوقِ فضول و جرأتِ رندانہ چاہیے

چاہیے اچھون کو جتنا چاہیے | یہ اگر چاہین تو پھر کیا چاہیے
صحبتِ رندان سے واجب ہے حذر | جاے مے اپنے کو کھینچا چاہیے
چاہنے کو تیرے کیا سمجھا تھا دل | بارے اب اس سے بھی سمجھا چاہیے
چاک مت کر جیب بے ایامِ گل | کچھ اودھر کا بھی اشارا چاہیے
دوستی کا پردہ ہے بیگانگی | منہ چھپانا ہم سے چھوڑا چاہیے
دشمنی نے میری کھویا غیر کو | کسقدر دشمن ہے دیکھا چاہیے
اپنی رسوائی مین کیا چلتی ہے سعی | یار ہی ہنگامہ آرا چاہیے
منحصر مرنے پہ ہو جسکی امید | ناامیدی اوسکی دیکھا چاہیے
غافل ان مہ طلعتون کیواسطے | چاہنے والا بھی اچھا چاہیے
چاہتے ہین خوبرویون کو اسد | آپ کی صورت تو دیکھا چاہیے

ہر قدم دوریِ منزل ہے نمایان مجھ سے | میری رفتار سے بھاگے ہے بیابان مجھ سے
درسِ عنوانِ تماشا بہ تغافل خوشتر | ہے نگہ رشتۂ شیرازۂ مژگان مجھ سے
وحشتِ آتشِ دل سے شبِ تنہائی مین | صورتِ دود رہا سایہ گریزان مجھ سے
غمِ عشاق نہ ہو سادگی آموزِ بتان | کسقدر خانۂ آئینہ ہے ویران مجھ سے
اثرِ آبلہ سے جادۂ صحراے جنون | صورتِ رشتۂ گوہر ہے چراغان مجھ سے
بیخودی بسترِ تمہیدِ فراغت ہو جو | پر ہے سایے کی طرح میرا شبستان مجھ سے
شوقِ دیدار مین گر تو مجھے گردن مارے | ہو نگہ مثلِ گلِ شمع پریشان مجھ سے
بیکسیہاے شبِ ہجر کی وحشت ہے ہے | سایہ خورشیدِ قیامت مین ہے پنہان مجھ سے
گردشِ ساغرِ صد جلوۂ رنگین تجھ سے | آئنہ داریِ یک دیدۂ حیران مجھ سے
نگہِ گرم سے اک آگ ٹپکتی ہے اسد | ہے چراغان خس و خاشاکِ گلستان مجھ سے

ردیف الیاء

نکتہ چین ہے غمِ دل اوسکو سناے نہ بنے | کیا بنے بات جہان بات بناے نہ بنے
مین بلاتا تو ہون اوسکو مگر اے جذبۂ دل | اوس پہ بن جاے کچھ ایسی کہ بن آے نہ بنے
کھیل سمجھا ہے کہین چھوڑ نہ دے بھول نہ جاے | کاش یون بھی ہو کہ بن میرے ستاے نہ بنے
غیر پھرتا ہے لیے یون ترے خط کو کہ اگر | کوئی پوچھے کہ یہ کیا ہے تو چھپاے نہ بنے

دکھا کے جنبش لب ہی تمام کر ہمکو
نہ دے جو بوسہ تو منہ سے کہیں جواب تو دے
پلا دے اوک سے ساقی جو ہمسے نفرت ہے
پیالہ گر نہیں دیتا نہ دے شراب تو دے
اسد خوشی سے مرے ہاتھ پاؤں پھول گئے
کہا جو اوس نے ذرا میرے پاؤں داب تو دے

[illegible]

اس نزاکت کا برا ہو وہ بھلے ہیں تو کیا	ہاتھ آویں تو انہیں ہاتھ لگائے نہ بنے
کہہ سکے کون کہ یہ جلوہ گری کسکی ہے	پردہ چھوڑا ہے وہ اوسنے کہ اوٹھائے نہ بنے
موت کی راہ نہ دیکھوں کہ بن آئے نہ رہے	تمکو چاہوں کہ نہ آؤ تو بلائے نہ بنے
بوجھ وہ سر سے گرا ہے کہ اوٹھائے نہ اوٹھے	کام وہ آن پڑا ہے کہ بنائے نہ بنے

عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالب
کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے

چاک کی خواہش اگر وحشت بعریانی کرے	صبح کے مانند زخم دل گریبانی کرے
جلوہ کا تیرے وہ عالم ہے کہ گر کیجے خیال	دیدۂ دل کو زیارتگاہ حیرانی کرے
ہے شکستن سے بھی دل نومید یارب کب تلک	آبگینہ کوہ پر عرض گرانجانی کرے
میکدہ گر چشم مست ناز سے پاوے شکست	موئے شیشہ دیدۂ ساغر کی مژگانی کرے

خط عارض سے لکھا ہے زلف کو الفت نے عہد
یکقلم منظور ہے جو کچھ پریشانی کرے

وہ آکے خواب میں تسکین اضطراب تو دے	ولے مجھے تپش دل مجال خواب تو دے
کرے ہے قتل لگاوٹ میں تیرا رو دینا	تری طرح کوئی تیغ نگہ کو آب تو دے

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ہاں کھائیو مت فریبِ ہستی	ہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے
شادی سے گزر کہ غم نہووے	اردی جو نہو تو دی نہیں ہے
کیوں ردِّ قدح کرے ہے زاہد	مے ہے یہ مگس کی قے نہیں ہے

ہستی ہے نہ کچھ عدم ہے **غالب**
آخر تو کیا ہے اے نہیں ہے

نہ پوچھ نسخۂ مرہم جراحتِ دل کا	کہ اوسمیں ریزۂ الماس جزوِ اعظم ہے
بہت دنوں میں تغافل نے تیرے پیدا کی	وہ اک نگہ کہ بظاہر نگاہ سے کم ہے
ہم رشک کو اپنے بھی گوارا نہیں کرتے	مرتے ہیں ولے اونکی تمنا نہیں کرتے
در پردہ اونھیں غیر سے ہے ربطِ نہانی	ظاہر کا یہ پردہ ہے کہ پردا نہیں کرتے

یہ باعثِ نومیدیِ اربابِ ہوس ہے
غالب کو برا کہتے ہو اچھا نہیں کرتے

کرے ہے بادہ ترے لب سے کسبِ رنگِ فروغ	خطِ پیالہ سراسر نگاہِ گلچیں ہے
کبھی تو اس دلِ شوریدہ کی بھی داد ملے	کہ ایک عمر سے حسرت پرستِ بالیں ہے
بجا ہے گر نہ سنے نالہائے بلبلِ زار	کہ گوشِ گل نمِ شبنم سے پنبہ آگیں ہے

[illegible]

بن گیا تیغ نگاہ یار کا سنگ فسان — مرحبا مین کیا مبارک ہے گرانجانی مجھے

کیون نہ ہو بے التفاتی اوسکی خاطر جمع ہے — جانتا ہے محو پرسشہای پنہانی مجھے

میرے غمخانیکی قسمت جب رقم ہونے لگی — لکھدیا منجملۂ اسباب ویرانی مجھے

بدگمان ہوتا ہے وہ کافر نہ ہوتا کاشکے — اسقدر ذوق نوای مرغ بستانی مجھے

وای وان بھی شور محشر نے نہ دم لینے دیا — لیگیا تھا گور مین ذوق تن آسانی مجھے

وعدہ آنیکا وفا کیجے یہ کیا انداز ہے — تمنے کیون سونپی ہے میرے گھر کی دربانی مجھے

ہان نشاط آمد فصل بہاری واہ وا — پھر ہوا ہے تازہ سودای غزلخوانی مجھے

دی مرے بھائی کو حق نے از سر نو زندگی — میرزا یوسف ہے غالب یوسف ثانی مجھے

یاد ہے شادی مین بھی ہنگامۂ یارب مجھے — سبحۂ زاہد ہوا ہے خندہ زیر لب مجھے

ہے کشادہ خاطر وابستہ در رہن سخن — تھا طلسم قفل ابجد خانۂ مکتب مجھے

یارب اس آشفتگی کی داد کس سے چاہیے — رشک آسایش پہ ہے زندانیونکی اب مجھے

طبع ہے مشتاق لذتہای حسرت کیا کرون — آرزو سے ہے شکست آرزو مطلب مجھے

دل لگا کر آپ بھی غالب مجھی سے ہوگئے — عشق سے آتے تھے مانع میرزا صاحب مجھے

بازیچۂ اطفال ہے دنیا مرے آگے
ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے

اک کھیل ہے اورنگ سلیماں مرے نزدیک
اک بات ہے اعجاز مسیحا مرے آگے

جز نام نہیں صورت عالم مجھے منظور
جز وہم نہیں ہستی اشیا مرے آگے

ہوتا ہے نہاں گرد میں صحرا مرے ہوتے
گھستا ہے جبیں خاک پہ دریا مرے آگے

مت پوچھ کہ کیا حال ہے میرا ترے پیچھے
تو دیکھ کہ کیا رنگ ہے تیرا مرے آگے

سچ کہتے ہو خودبین و خودآرا ہوں نہ کیوں ہوں
بیٹھا ہے بت آئنہ سیما مرے آگے

پھر دیکھئے انداز گل افشانی گفتار
رکھ دے کوئی پیمانۂ صہبا مرے آگے

نفرت کا گماں گزرے ہے میں رشک سے گزرا
کیونکر کہوں لو نام نہ ان کا مرے آگے

ایماں مجھے روکے ہے جو کھینچے ہے مجھے کفر
کعبہ مرے پیچھے ہے کلیسا مرے آگے

عاشق ہوں پہ معشوق فریبی ہے مرا کام
مجنوں کو برا کہتی ہے لیلیٰ مرے آگے

خوش ہوتے ہیں پر وصل میں یوں مر نہیں جاتے
آئی شب ہجراں کی تمنا مرے آگے

ہے موجزن اک قلزم خوں کاش یہی ہو
آتا ہے ابھی دیکھیے کیا کیا مرے آگے

گو ہاتھ کو جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے
رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے

ہم پیشہ و ہم مشرب و ہم راز ہے میرا
غالب کو برا کیوں کہو اچھا مرے آگے

سنبھلنے دے مجھے اے ناامیدی کیا قیامت ہے
کہ دامان خیال یار چھوٹا جائے ہے مجھ سے

تکلف برطرف نظارگی میں بھی سہی لیکن
وہ دیکھا جائے کب یہ ظلم دیکھا جائے ہے مجھ سے

ہوئے ہیں پاؤں ہی پہلے نبرد عشق میں زخمی
نہ بھاگا جائے ہے مجھ سے نہ ٹھہرا جائے ہے مجھ سے

قیامت ہے کہ ہووے مدعی کا ہمسفر غالب
وہ کافر جو خدا کو بھی نہ سونپا جائے ہے مجھ سے

زبسکہ مشق تماشا جنوں علامت ہے
کشاد و بست مژہ سیلی ندامت ہے

نہ جانوں کیونکہ مٹے داغ طعن بدعہدی
تجھے کہ آئنہ بھی ورطۂ ملامت ہے

بہ پیچ و تاب ہوس سلک عافیت مت توڑ
نگاہ عجز سر رشتۂ سلامت ہے

وفا مقابل و دعوائے عشق بے بنیاد
جنون ساختہ و فصل گل قیامت ہے

لاغر اتنا ہوں کہ گر تو بزم میں جا دے مجھے
میرا ذمہ دیکھکر گر کوئی بتلا دے مجھے

کیا تعجب ہے کہ اوسکو دیکھکر آجائے رحم
واں تلک کوئی کسی حیلے سے پہنچا دے مجھے

منہ نہ دکھلاوے نہ دکھلا پر باندازِ عتاب
کھولکر پردہ ذرا آنکھیں ہی دکھلا دے مجھے

یاں تلک میری گرفتاری سے وہ خوش ہے کہ میں
زلف گر بن جاؤں تو شانے میں الجھا دے مجھے

کہوں جو حال تو کہتے ہو مدعا کہیے	تمہیں کہو کہ جو تم یوں کہو تو کیا کہیے
نہ کہیو طعن سے پھر تم کہ ہم ستمگر ہیں	مجھے تو خو ہے کہ جو کچھ کہو بجا کہیے
وہ نیشتر سہی پر دل میں جب اوتر جاوے	نگاہِ ناز کو پھر کیوں نہ آشنا کہیے
نہیں ذریعۂ راحت جراحتِ پیکان	وہ زخمِ تیغ ہے جسکو کہ دلکشا کہیے
جو مدعی بنے اوسکے نہ مدعی بنیے	جو نا سزا کہے اوسکو نہ ناسزا کہیے
کہیں حقیقتِ جانکاہیِ مرض لکھیے	کہیں مصیبتِ ناسازیِ دوا کہیے
کبھی شکایتِ رنجِ گران نشین کیجے	کہیں حکایتِ صبرِ گریز پا کہیے
رہے نہ جان تو قاتل کو خونبہا دیجے	کٹے زبان تو خنجر کو مرحبا کہیے
نہیں نگار کو الفت نہو نگار تو ہے	روانیِ روش و مستیِ ادا کہیے
نہیں بہار کو فرصت نہو بہار تو ہے	طراوتِ چمن و خوبیِ ہوا کہیے

سفینہ جبکہ کنارے پہ آلگا غالب
خدا سے کیا ستم و جورِ ناخدا کہیے

ہوئے سے اور عشق میں بیباک ہو گئے	دھوئے گئے ہم اتنے کہ بس پاک ہو گئے
درصرفِ بہا کے ہوئے آلات میکشی	تھے یہی دو حساب سو یون پاک ہو گئے

رسوائے دہر گو ہوئے آوارگی سے تم
بارے طبیعتوں کے تو چالاک ہو گئے

کہتا ہے کون نالۂ بلبل کو بے اثر
پردے میں گل کے لاکھ جگر چاک ہو گئے

پوچھے ہے کیا وجود و عدم اہل شوق کا
آپ اپنی آگ کے خس و خاشاک ہو گئے

کرنے گئے تھے اوس سے تغافل کا ہم گلہ
کی ایک ہی نگاہ کہ بس خاک ہو گئے

اس رنگ سے اوٹھائی کل اوسنے اسد کی نعش
دشمن بھی جسکو دیکھ کے غمناک ہو گئے

نشہ ہا شاداب رنگ و سازہا مست طرب
شیشۂ مے سرو سبز جوئبار نغمہ ہے

ہمنشیں مت کہہ کہ برہم کر نہ بزم عیش دوست
واں تو میرے نالے کو بھی اعتبار نغمہ ہے

غزل

عرضِ نازِ شوخیِ دنداں برائے خندہ ہے
دعویٰ جمعیتِ احباب جائے خندہ ہے

ہے عدم میں غنچہ محوِ عبرتِ انجامِ گل
یک جہاں زانو تامل در قفائے خندہ ہے

کلفتِ افسردگی کو عیشِ بیتابی حرام
ورنہ دنداں در دل افشردن بنائے خندہ ہے

سوزشِ باطن کے ہیں احباب منکر ورنہ یاں
دل محیطِ گریہ و لب آشنائے خندہ ہے

حسنِ بے پروا خریدارِ متاعِ جلوہ ہے
آئینہ زانوئے فکرِ اختراعِ جلوہ ہے

تا کجا اے آگہی رنگِ تماشا باختن
چشمِ وا گردیدہ آغوشِ وداعِ جلوہ ہے

[illegible]

[illegible]

عالم غبار وحشت مجنوں ہے سر بسر	کب تک خیال طرۂ لیلا کرے کوئی
افسردگی نہیں طرب انشائے التفات	ہاں درد بن کے دل میں مگر جا کرے کوئی
رونے سے اے ندیم ملامت نہ کر مجھے	آخر کبھی تو عقدۂ دل وا کرے کوئی
چاک جگر سے جب رہ پرسش نہ وا ہوئی	کیا فائدہ کہ جیب کو رسوا کرے کوئی
لخت جگر سے ہے رگ ہر خار شاخ گل	تا چند باغبانی صحرا کرے کوئی
ناکامی نگاہ ہے برق نظارہ سوز	تو وہ نہیں کہ تجھکو تماشا کرے کوئی
ہر سنگ و خشت ہے صدف گوہر شکست	نقصان نہیں جنون سے جو سودا کرے کوئی
سر بر ہوئی نہ وعدۂ صبر آزما سے عمر	فرصت کہاں کہ تیری تمنا کرے کوئی
ہے وحشت طبیعت ایجاد یاس خیز	یہ درد وہ نہیں کہ نہ پیدا کرے کوئی
بیکاری جنون کو ہے سر پیٹنے کا شغل	جب ہاتھ ٹوٹ جائیں تو پھر کیا کرے کوئی

حسن فروغ شمع سخن دور ہے اسد
پہلے دل گداختہ پیدا کرے کوئی

ابن مریم ہوا کرے کوئی	میرے دکھ کی دوا کرے کوئی
شرع و آئین پر مدار سہی	ایسے قاتل کا کیا کرے کوئی

جب توقع ہی اوٹھ گئی غالب
کیوں کسی کا گلا کرے کوئی

[illegible]

آئینہ خانے میں کوئی لیے جاتا ہے مجھے
مدعا محو تماشائے شکست دل ہے
[illegible] نظر آتا ہے مجھے
سایۂ شاخ گل افعی نظر آتا ہے مجھے
[illegible] خفقانی یہ ڈراتا ہے مجھے
[illegible]

کوہ کے ہون بار خاطر گر صدا ہو جائیے
بے تکلف اے شرار جستہ کیا ہو جائیے

بیضہ آسا ننگ بال و پر ہے یہ کنج قفس
از سر نو زندگی ہو گر رہا ہو جائیے

مستی بذوق غفلت ساقی ہلاک ہے
موج شراب یک مژۂ خوابناک ہے

جز زخم تیغ ناز نہین دل مین آرزو
جیب خیال بھی ترے ہاتھون سے چاک ہے

جوش جنون سے کچھ نظر آتا نہین اسد
صحرا ہماری آنکھ مین یک مشت خاک ہے

لب عیسی کی جنبش کرتی ہے گہوارہ جنبانی
قیامت کشتۂ لعل بتان کا خواب سنگین ہے

آمد سیلاب طوفان صدای آب ہے
نقش پا جو کان مین رکھتا ہے انگلی جادہ سے

نالہ سرمایۂ یک عالم و عالم کفِ خاک	آسمان بیضۂ قمری نظر آتا ہے مجھے
زندگی مین تو وہ محفل سے اوٹھا دیتے تھے	دیکھون اب مر گئے پر کون اوٹھاتا ہے مجھے
روندی ہوئی ہے کوکبۂ شہریار کی	اترائے کیون نہ خاک سر رہگذار کی
جب اوسکے دیکھنے کے لیے آئین بادشاہ	لوگون مین کیون نمود نہ ہو لالہ زار کی
بھوکے نہین ہین سیر گلستان کے ہم ولے	کیونکر نہ کھائیے کہ ہوا ہے بہار کی
ہزارون خواہشین ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے	بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے
ڈرے کیون میرا قاتل کیا رہیگا اوسکی گردن پر	وہ خون جو چشم تر سے عمر بھر یون دمبدم نکلے
نکلنا خلد سے آدم کا سنتے آئے ہین لیکن	بہت بے آبرو ہو کر ترے کوچے سے ہم نکلے
بھرم کھل جائے ظالم تیرے قامت کی درازی کا	اگر اس طرۂ پرپیچ و خم کا پیچ و خم نکلے
مگر لکھوائے کوئی اوسکو خط تو ہمسے لکھوائے	ہوئی صبح اور گھر سے کان پر رکھکر قلم نکلے
ہوئی اس دور مین منسوب مجھسے بادہ آشامی	پھر آیا وہ زمانہ جو جہان مین جام جم نکلے
ہوئی جنسے توقع خستگی کی داد پانیکی	وہ ہمسے بھی زیادہ خستۂ تیغ ستم نکلے
محبت مین نہین ہے فرق جینے اور مرنے کا	اوسی کو دیکھکر جیتے ہین جس کافر پہ دم نکلے
کہان میخانہ کا دروازہ غالب اور کہان واعظ	پر اتنا جانتے ہین کل وہ جاتا تھا کہ ہم نکلے

نہین ہے زخم کوئی بخیہ کے درخور مرے تن مین
ہوا ہے تار اشک یاس رشتہ چشم سوزن مین

ہوئی ہے مانع ذوق تماشا خانہ ویرانی
کف سیلاب باقی ہے برنگ پنبہ روزن مین

[illegible]

غم آغوشِ بلا مین پرورش دیتا ہے عاشق کو	چراغِ روشن اپنا قلزمِ صرصر کا مرجان ہے
خموشیون مین تماشا ادا نکلتی ہے	نگاہ دل سے ترے سرمہ سا نکلتی ہے
فشارِ تنگیِ خلوت سے بنتی ہے شبنم	صبا جو غنچہ کے پردے مین جا نکلتی ہے
نہ پوچھ سینۂ عاشق سے آبِ تیغِ نگاہ	کہ زخمِ روزنِ در سے ہوا نکلتی ہے
جس جا نسیم شانہ کشِ زلفِ یار ہے	نافہ دماغِ آہوِ دشتِ تتار ہے
کس کا سراغِ جلوہ ہے حیرت کو اے خدا	آئینہ فرشِ شش جہتِ انتظار ہے
ہے ذرہ ذرہ تنگیِ جا سے غبارِ شوق	گر دام یہ ہے وسعتِ صحرا شکار ہے
دل مدعی و دیدہ بنا مدعا علیہ	نظارہ کا مقدمہ پھر روبکار ہے
چھڑکے ہے شبنم آئنہ برگِ گل پر آب	اے عندلیب وقتِ وداعِ بہار ہے
پچ آ پڑی ہے وعدۂ دلدار کی مجھے	وہ آئے یا نہ آئے پہ یان انتظار ہے
بے پردہ سوے وادیِ مجنون گزر نہ کر	ہر ذرہ کی نقاب مین دل بیقرار ہے
اے عندلیب یک کفِ خس بہرِ آشیان	طوفانِ آمدِ فصلِ بہار ہے
دل مت گنوا خبر نہ سہی سیر ہی سہی	اے بیدماغ آئنہ تمثال دار ہے
غفلت کفیلِ عمر و اسد ضامنِ نشاط	اے مرگِ ناگہان تجھے کیا انتظار ہے

آئینہ کیون نہ دون کہ تماشا کہین جسے
ایسا کہان سے لاؤن کہ تجھ سا کہین جسے
حسرت نے لا رکھا تری بزمِ خیال مین
گلدستۂ نگاہ سویدا کہین جسے
پھونکا ہے کس نے گوشِ محبت مین اے خدا
افسونِ انتظار تمنا کہین جسے
سر پر ہجومِ دردِ غریبی سے ڈالیے
وہ ایک مشتِ خاک کہ صحرا کہین جسے
ہے چشمِ تر مین حسرتِ دیدار سے نہان
شوقِ عنان گسیختہ دریا کہین جسے
درکار ہے شگفتنِ گلہاے عیش کو
صبحِ بہار پنبۂ مینا کہین جسے
غالب برا نہ مان جو واعظ برا کہے
ایسا بھی کوئی ہے کہ سب اچھا کہین جسے

ولہ

شبنم بہ گلِ لالہ نہ خالی ز ادا ہے
داغِ دلِ بیدرد نظرگاہِ حیا ہے
دل خون شدۂ کشمکشِ حسرتِ دیدار
آئینہ بدستِ بتِ بدمستِ حنا ہے
شعلے سے نہ ہوتی ہوسِ شعلہ نے جو کی
جی کس قدر افسردگیِ دل پہ جلا ہے
تمثال مین تیری ہے وہ شوخی کہ بصد ذوق
آئینہ بہ اندازِ گل آغوش کشا ہے
قمری کفِ خاکستر و بلبل قفسِ رنگ
اے نالہ نشانِ جگرِ سوختہ کیا ہے
خو نے تری افسردہ کیا وحشتِ دل کو
معشوقی و بے حوصلگی طرفہ بلا ہے
مجبوری و دعواے گرفتاریِ الفت
دستِ تہِ سنگ آمدہ پیمانِ وفا ہے

غم کھانے میں بودا دل ناکام بہت ہے
یہ رنج کہ کم ہے مے گلفام بہت ہے
کہتے ہوئے ساقی سے حیا آتی ہے ورنہ
ہے یون کہ مجھے دُردِ تہِ جام بہت ہے
نے تیر کمان مین ہے نہ صیاد کمین مین
گوشے مین قفس کے مجھے آرام بہت ہے
کیا زہد کو مانون کہ نہ ہو گرچہ ریائی
پاداش عمل کی طمعِ خام بہت ہے
ہین اہل خرد کس روش خاص پہ نازان
پابستگی رسم و رہ عام بہت ہے
زمزم ہی پہ چھوڑو مجھے کیا طوف حرم سے
آلودہ بہ مے جامۂ احرام بہت ہے
ہے قہر گر اب بھی نہ بنے بات کہ اونکو
انکار نہین اور مجھے ابرام بہت ہے

معلوم ہوا حال شہیدان گذشتہ	تیغ ستم آئنہ تصویر نما ہے
اے پرتو خورشید جہانتاب ادھر بھی	سایہ کی طرح ہمپہ عجب وقت پڑا ہے
ناکردہ گناہون کی بھی حسرت کی ملے داد	یارب اگران کردہ گناہون کی سزا ہے

بیگانگی خلق سے بیدل نہو غالب
کوئی نہین تیرا تو مری جان خدا ہے

منظور تھی یہ شکل تجلی کو نور کی	قسمت کھلی ترے قد و رخ سے ظہور کی
اک خونچکان کفن مین کرورون بناو ہین	پڑتی ہے آنکھ تیرے شہیدون پہ حور کی
واعظ نہ تم پیو نہ کسی کو پلا سکو	کیا بات ہے تمھاری شراب طہور کی
لڑتا ہے مجھسے حشر مین قاتل کہ کیون اوٹھا	گویا ابھی سنی نہین آواز صور کی
آمد بہار کی ہے جو بلبل ہے نغمہ سنج	اوڑتی سی اک خبر ہے زبانی طیور کی
گو وان نہین پہ وانکے نکالے ہوے تو ہین	کعبہ سے ان بتون کو بھی نسبت ہے دور کی
کیا فرض ہے کہ سبکو ملے ایک سا جواب	آؤ نہ ہم بھی سیر کرین کوہ طور کی
گرمی سہی کلام مین لیکن نہ اسقدر	کی جس سے بات اوسنے شکایت ضرور کی
غالب گر اس سفر مین مجھے ساتھ لیچلین	حج کا ثواب نذر کرون گا حضور کی

از دیوان غالب

خون ہو کے جگر آنکھ سے ٹپکا نہین اے مرگ
رہنے دے مجھے یان کہ ابھی کام بہت ہے
ہوگا کوئی ایسا بھی کہ غالب کو نہ جانے
شاعر تو وہ اچھا ہے پہ بدنام بہت ہے

مدت ہوئی ہے یار کو مہمان کیے ہوے
جوش قدح سے بزم چراغان کیے ہوے
کرتا ہون جمع پھر جگر لخت لخت کو
عرصہ ہوا ہے دعوت مژگان کیے ہوے
پھر وضع احتیاط سے رکنے لگا ہے دم
برسون ہوے ہین چاک گریبان کیے ہوے
پھر گرم نالہ ہاے شرربار ہے نفس
مدت ہوئی ہے سیر چراغان کیے ہوے
پھر پرسش جراحت دل کو چلا ہے عشق
سامان صد ہزار نمکدان کیے ہوے

[illegible]

پھر بھر رہا ہے خامۂ مژگاں بخون دل	ساز چمن طرازئ داماں کیے ہوئے
باہم دگر ہوئے ہیں دل و دیدہ پھر رقیب	نظارہ و خیال کا ساماں کیے ہوئے
دل پھر طواف کوئے ملامت کو جائے ہے	پندار کا صنم کدہ ویراں کیے ہوئے
پھر شوق کر رہا ہے خریدار کی طلب	عرض متاع عقل و دل و جاں کیے ہوئے
دوڑے ہے پھر ہر ایک گل و لالہ پر خیال	صد گلستاں نگاہ کا ساماں کیے ہوئے
پھر چاہتا ہوں نامۂ دلدار کھولنا	جاں نذر دلفریبی عنواں کیے ہوئے
مانگے ہے پھر کسی کو لب بام پر ہوس	زلف سیاہ رخ پہ پریشاں کیے ہوئے
چاہے ہے پھر کسی کو مقابل میں آرزو	سرمے سے تیز دشنۂ مژگاں کیے ہوئے
اک نوبہار ناز کو تاکے ہے پھر نگاہ	چہرہ فروغ مے سے گلستاں کیے ہوئے
پھر جی میں ہے کہ در پہ کسی کے پڑے رہیں	سر زیر بار منت درباں کیے ہوئے
جی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کہ رات دن	بیٹھے رہیں تصور جاناں کیے ہوئے

غالب ہمیں نہ چھیڑ کہ پھر جوش اشک سے
بیٹھے ہیں ہم تہیۂ طوفاں کیے ہوئے

نوید امن ہے بیداد دوست جاں کے لیے	رہی نہ طرز ستم کوئی آسماں کے لیے

[illegible]

فلک العرش ہجوم خم دوش مزدور
رشتۂ فیض ازل ساز طناب معمار

سبزہ نہ چمن و یک خط پشت لب بام
رفعت ہمت صد عارف و یک اوج حصار

واں کی خاشاک سے حاصل ہو جسے یک پر کاہ
وہ رہے مروحۂ بال پری سے بیزار

خاک صحرای نجف جوہر سیر عرفا
چشم نقش قدم آئینۂ بخت بیدار

ذرہ اوس گرد کا خورشید کو آئینۂ ناز
گرد اوس دشت کی امید کو احرام بہار

آفرینش کو ہے واں سے طلب مستی ناز
عرض خمیازۂ ایجاد ہے ہر موج غبار

قصائد

سایہ یک قطرہ نہین فیض چمن سے بیکار
سایۂ لالۂ بیداغ سویدا ہے بہار

مستی باد صبا سے ہے بعرض سبزہ
ریزۂ شیشۂ مے جوہر تیغ کہسار

سبز ہے جام زمرد کی طرح داغ پلنگ
تازہ ہے ریشۂ نارنج صفت روی شرار

مستی ابر سے گلچین طرب ہے حسرت
کہ اس آغوش مین ممکن ہے دو عالم کا فشار

کوہ و صحرا ہمہ معموری شوق بلبل
راہ خوابیدہ ہوئے خندۂ گل سے بیدار

سونپے ہے فیض ہوا صورت مژگان یتیم
سرنوشت دو جہان ابر بیک سطر غبار

کاٹ کر پھینکیے ناخن تو باندازہ ہلال
قوت نامیہ اوسکو بھی نچھوڑے بیکار

کف ہر خاک بگردون شدہ قمری پرواز
دام ہر کاغذ آتش زدہ طاؤس شکار

میکدہ مین ہو اگر آرزوی گلچینی
بھول جا یک قدح بادہ بطاق گلزار

موج گل ڈھونڈہ بخلوتکدۂ غنچۂ باغ
گم کرے گوشۂ میخانہ مین گر تو دستار

کھینچے گر مانی اندیشہ چمن کی تصویر
سبز مثل خط نوخیز ہو خط پرکار

لعل سے کی ہے پئے زمزمۂ مدحت شاہ
طوطئ سبزۂ کہسار نے پیدا منقار

وہ شہنشاہ کہ جسکی پئے تعمیر سرا
چشم جبریل ہوئی قالب خشت دیوار

مطلع ثانی

فیض سے تیرے ہے اے شمع شبستان بہار
دل پروانہ چراغان پر بلبل گلزار

شکل طاؤس کرے آئینہ خانہ پرواز
ذوق مین جلوہ کے تیرے بہوای دیدار

تیری اولاد کے غم سے ہے بروی گردون
سلک اختر مین مہ نو مژۂ گوہر بار

ہم عبادت کو ترا نقش قدم مہر نماز
ہم ریاضت کو ترے حوصلے سے استظہار

مدح مین تیری نہاں زمزمۂ نعت نبی
جام سے تیرے عیاں بادۂ جوش اسرار

جوہر دست دعا آئینہ یعنی تاثیر
یک طرف نازش مژگان و دگر سو غم خار

مردمک سے ہو عزا خانۂ اقبال نگاہ
خاک در کی تری جو چشم نہ ہو آئینہ دار

دشمنِ آلِ نبی کو بطرب خانۂ دہر	عرضِ خمیازۂ سیلاب ہوا طاقِ دیوار
دیدۂ تا دل اسدؔ آئینۂ یک پرتوِ شوق	فیضِ معنی سے خطِ ساغرِ راقم سرشار

قصیدہ

دہر جز جلوۂ یکتائیِ معشوق نہین	ہم کہان ہوتے اگر حسن نہ ہوتا خودبین
بیدلیہائے تماشا کہ نہ عبرت ہے نہ ذوق	بیکسیہائے تمنا کہ نہ دنیا ہے نہ دین
ہرزہ ہے نغمۂ زیر و بمِ ہستی و عدم	لغو ہے آئنۂ فرقِ جنون و تمکین
نقشِ معنی ہمہ خمیازۂ عرضِ صورت	سخنِ حق ہمہ پیمانۂ ذوقِ تحسین
لافِ دانش غلط و نفعِ عبادت معلوم	دُردِ یک ساغرِ غفلت ہے چہ دنیا و چہ دین
مثلِ مضمونِ وفا باد بدستِ تسلیم	صورتِ نقشِ قدم خاک بفرقِ تمکین
عشق بیربطیِ شیرازۂ اجزائے حواس	وصل زنگارِ رخِ آئنۂ حسنِ یقین
کوہکن گرسنہ مزدورِ طربگاہِ رقیب	بے ستون آئنۂ خوابِ گرانِ شیرین
کسنے دیکھا نفسِ اہلِ وفا آتش خیز	کسنے پایا اثرِ نالۂ دلہائے حزین
سامعِ زمزمۂ اہلِ جہان ہون لیکن	نہ سر و برگِ ستائش نہ دماغِ نفرین
کسقدر ہرزہ سرا ہون کہ عیاذاً باللہ	یکقلم خارجِ آدابِ وقار و تمکین

کس سے ہو سکتی ہے مداحیِ ممدوحِ خدا ۔ کس سے ہو سکتی ہے آرائشِ فردوسِ بریں

جنسِ بازارِ معاصی اسد اللہ اسد ۔ کہ سوا تیرے کوئی اوسکا خریدار نہیں

شوخیِ عرضِ مطالب میں ہے گستاخِ طلب ۔ ہے ترے حوصلۂ فضل پر ازبسکہ یقین

دے دعا کو مری وہ مرتبۂ حسنِ قبول ۔ کہ اجابت کہے ہر حرف پہ سو بار آمین

غمِ شبیر سے ہو سینہ یہانتک لبریز ۔ کہ رہیں خونِ جگر سے مری آنکھیں رنگین

طبع کو الفتِ دُلدُل میں یہ سرگرمیِ شوق ۔ کہ جہانتک چلے اوس سے قدم اور مجھسے جبین

دلِ الفت نسب و سینۂ توحید فضا ۔ نگہ جلوہ پرست و نفسِ صدق گزین

صرفِ اعدا اثرِ شعلہ و دودِ دوزخ ۔ وقفِ احباب گل و سنبلِ فردوس بریں

قصیدہ

ہاں مہِ نو سنیں ہم اوسکا نام ۔ جسکو تو جھک کے کر رہا ہے سلام

دو دن آیا ہے تو نظرِ دمِ صبح ۔ یہی انداز اور یہی اندام

بارے دو دن کہاں رہا غائب ۔ بندہ عاجز ہے گردشِ ایام

اوڑکے جاتا کہاں کہ تارون کا ۔ آسمان نے بچھا رکھا تھا دام

مرحبا اے سرورِ خاصِ خواص ۔ حبذا اے نشاطِ عامِ عوام

جبکہ چودہ منازل فلکی	کر چکی قطع تیری تیزیٔ گام
تیرے پرتو سے ہون فروغ پذیر	کوئے مشکوئے و صحن و منظر و بام
دیکھنا میرے ہاتھ مین لبریز	اپنی صورت کا اک بلورین جام
پھر غزل کی روش پہ چل نکلا	توسن طبع چاہتا تھا لگام

غزل

زہر غم کر چکا تھا میرا کام	تجھکو کسنے کہا کہ ہو بدنام
مے ہی پھر کیون نہ مین پیے جاؤن	غم سے جب ہو گئی ہو زیست حرام
بوسہ کیسا یہی غنیمت ہے	کہ نہ سمجھین وہ لذت دشنام
کعبہ مین جا بجاوینگے ناقوس	اب تو باندھا ہے دیر مین احرام
اوس قدح کا ہے دور مجھکو نقد	چرخ نے لی ہے جس سے گردش وام
بوسہ دینے مین اونکو ہے انکار	دل کے لینے مین جنکو تھا ابرام

چھیڑتا ہون کہ اونکو غصہ آئے
کیون رکھون ورنہ غالب اپنا نام

کہہ چکا مین تو سب کچھ اب تو کہہ	اے پری چہرہ پیک تیز خرام

صبح دم دروازۂ خاور کھلا
مہرِ عالمتاب کا منظر کھلا
خسروِ انجم کے آیا صرف مین
شب کو تھا گنجینۂ گوہر کھلا
وہ بھی تھی اک سیمیا کی سی نمود
صبح کو رازِ مہ و اختر کھلا
ہین کواکب کچھ نظر آتے ہین کچھ
دیتے ہین دھوکا یہ بازیگر کھلا
سطحِ گردون پر پڑا تھا رات کو
موتیون کا ہر طرف زیور کھلا
صبح آیا جانبِ مشرق نظر
اک نگارِ آتشین رخ سر کھلا
تھی نظر بندی کیا جب ردِ سحر
بادۂ گلرنگ کا ساغر کھلا
لاکے ساقی نے صبوحی کے لیے
رکھدیا ہے ایک جامِ زر کھلا
بزمِ سلطانی ہوئی آراستہ
کعبۂ امن و امان کا در کھلا
تاجِ زرین مہرِ تابان سے سوا
خسروِ آفاق کے منہ پر کھلا
شاہِ روشن دل بہادر شہ کہ ہے
رازِ ہستی اوس پہ سرتاسر کھلا
وہ کہ جسکی صورتِ تکوین مین
مقصدِ نہ چرخ و ہفت اختر کھلا
وہ کہ جسکے ناخنِ تاویل سے
عقدۂ احکامِ پیغمبر کھلا

تیرے فیلِ گران جسد کی صدا
تیرے رخشِ سبک عنان کا خرام
فنِ صورت گری مین تیر اگر
گر نہ رکھتا ہو دستگاہ تمام
اوسکے مضروب کے سر و تن سے
کیون نمایان ہو صورتِ ادغام
جب ازل مین رقم پذیر ہوے
صفحہ ہاے لیالی و ایّام
اور اون اوراق مین بہ کلکِ قضا
جملاً مندرج ہوے احکام
لکھدیا شاہدون کو عاشق کش
لکھدیا عاشقون کو دشمن کام
آسمان کو کہا گیا کہ کہین
گنبدِ تیز گرد نیلی فام
حکم ناطق لکھا گیا کہ لکھین
خال کو دانہ اور زلف کو دام
آتش و آب و باد و خاک نے لی
وضع سوز و نم و رم و آرام
مہرِ رخشان کا نام خسروِ روز
ماہِ تابان کا اسم شحنۂ شام
تیری توقیعِ سلطنت کو بھی
دی بہ دستور صورتِ ارقام
کاتبِ حکم نے بموجب حکم
اوس رقم کو دیا طرازِ دوام
ہے ازل سے رواے آغاز
ہو ابد تک رساے انجام

قصیدہ

روشناسون کی جہان فہرست ہے
وان لکھا ہے چہرۂ قیصر کھلا

توسنِ شہ مین ہے وہ خوبی کہ جب
تھان سے وہ غیرتِ صرصر کھلا

نقشِ پا کی صورتین وہ دلفریب
تو کہے بتخانۂ آذر کھلا

مجھپہ فیضِ تربیت سے شاہ کے
منصبِ مہر و مہ و محور کھلا

لاکھ عقدے دل مین تھے لیکن ہر ایک
میری حدِّ وسع سے باہر کھلا

تھا دلِ وابستہ قفلِ بے کلید
کسنے کھولا کب کھلا کیونکر کھلا

باغِ معنی کی دکھاؤن گا بہار
مجھسے گر شاہِ سخن گستر کھلا

ہو جہان گرمِ غزل خوانی نفس
لوگ جانین طبلۂ عنبر کھلا

غزل

کنج مین بیٹھا رہون یون پر کھلا
کاشکے ہوتا قفس کا در کھلا

ہم پکارین اور کھلے یون کون جائے
یار کا دروازہ پاوین گر کھلا

ہمکو ہے اس رازداری پر گھمنڈ
دوست کا ہے راز دشمن پر کھلا

واقعی دل پر بھلا لگتا تھا داغ
زخم لیکن داغ سے بہتر کھلا

ہاتھ سے رکھدی کب ابرو نے کمان
کب کمر سے غمزہ کے خنجر کھلا

جانتا ہون ہے خطِ لوحِ ازل — تم پہ اے خاقانِ نام آور کھلا
تم کرو صاحب قرانی جب تلک — ہے طلسمِ روز و شب کا در کھلا

در صفت انبہ

ہان دلِ دردمند زمزمہ ساز — کیون نہ کھولے درِ خزینۂ راز
خامہ کا صفحہ پر روان ہونا — شاخِ گل کا ہے گلفشان ہونا
مجھ سے کیا پوچھتا ہے کیا لکھیے — نکتہ ہاے خرد فزا لکھیے
بارے آمون کا کچھ بیان ہو جاے — خامہ نخلِ رطب فشان ہو جاے
آم کا کون مردِ میدان ہے — ثمر و شاخ گوے و چوگان ہے
تاک کے جی مین کیون رہے ارمان — آئے یہ گوے اور یہ میدان
آم کے آگے پیش جاوے خاک — پھوڑتا ہے جلے پھپھولے تاک
نہ چلا جب کسی طرح مقدور — بادۂ ناب بن گیا انگور
یہ بھی ناچار جی کا کھونا ہے — شرم سے پانی پانی ہونا ہے
مجھ سے پوچھو تمھین خبر کیا ہے — آم کے آگے نیشکر کیا ہے
نہ گل اوس مین نہ شاخ و برگ نہ بار — جب خزان آئے تب ہو اوس کی بہار

خاص وہ آم جو نہ ارزاں ہو
نو بر نخل باغ سلطاں ہو

وہ کہ ہے والئ ولایت عہد
عدل سے اوسکے ہے حمایت عہد

فخر دین عز شان و جاہ و جلال
زینت طینت و جمال و کمال

کار فرمائے دین و دولت و بخت
چہرہ آرائے تاج و مسند و تخت

سایہ اوسکا ہما کا سایہ ہے
خلق پر وہ خدا کا سایہ ہے

اے مفیض وجود سایہ و نور
جبتلک ہے نمود سایہ و نور

اس خداوند بندہ پرور کو
وارث گنج و تخت و افسر کو

شاد و دل شاد و شادماں رکھیو
اور **غالب** پہ مہرباں رکھیو

قطعات

اے شہنشاہ فلک منظر بے مثل و نظیر
اے جہاندار کرم شیوۂ بے شبہ و عدیل

پاؤں سے تیرے ملے فرق ارادت اورنگ
فرق سے تیری کرے کسب سعادت اکلیل

تیرا انداز سخن شانۂ زلف الہام
تیری رفتار قلم جنبش بال جبریل

تجھ سے عالم پہ کھلا رابطۂ قرب کلیم
تجھ سے دنیا میں بچھا مائدۂ بذل خلیل

ایضاً

اختر سوختۂ قیس سے نسبت دیجے
خال مشکین رخ دلکش لیلا کہیے
حجر الاسود دیوار حرم کیجے فرض
نافہ آہوے بیابان ختن کا کہیے
وضع میں اسکو اگر سمجھیے قاف تریاق
رنگ میں سبزۂ نوخیز مسیحا کہیے
صومعے میں اسے ٹھہرائیے گر مہر نماز
میکدے میں اسے خشت خم صہبا کہیے
کیوں اسے قفل در گنج محبت لکھیے
کیوں اسے نقطۂ پرکار تمنا کہیے
کیوں اسے گوہر نایاب تصور کیجے
کیوں اسے مردمک دیدۂ عنقا کہیے
کیوں اسے تکمۂ پیراہن لیلا لکھیے
کیوں اسے نقش پے ناقۂ سلمیٰ کہیے

گئے وہ دن کہ نادانستہ غیروں کی وفاداری — کیا کرتے تھے تم تقریر ہم خاموش رہتے تھے
بس اب بگڑے پہ کیا شرمندگی جانے دو مل جاؤ
قسم لو ہم سے گر یہ بھی کہیں کیوں ہم نہ کہتے تھے

کلکتہ کا جو ذکر کیا تو نے ہمنشین — اک تیر میرے سینے میں مارا کہ ہای ہای
وہ سبزہ زار ہای مطرا کہ ہے غضب — وہ نازنین بتان خود آرا کہ ہای ہای
صبر آزما وہ اونکی نگاہین کہ حف نظر — طاقت ربا وہ اونکا اشارا کہ ہای ہای
وہ میوہ ہاے تازۂ شیرین کہ واہ واہ
وہ بادہ ہاے ناب گوارا کہ ہای ہاے

در مدح ڈلی

ہے جو صاحب کے کف دست پہ یہ چکنی ڈلی — زیب دیتا ہے اسے جسقدر اچھا کہیے
خامہ انگشت بدندان کہ اسے کیا لکھیے — ناطقہ سر بگریبان کہ اسے کیا کہیے
مہر مکتوب عزیزان گرامی لکھیے — حرز بازوے شگرفان خود آرا کہیے
مسی آلودہ سر انگشت حسینان لکھیے — داغ طرف جگر عاشق شیدا کہیے
خاتم دست سلیمان کے مشابہ لکھیے — سر پستان پریزاد سے مانا کہیے

بندہ پرور کے کف دست کو دل کیجیے فرض
اور اس چکنی سپاری کو سویدا کہیے

[illegible]

ناؤ بھر کر ہی پروئے گئے ہونگے موتی
ورنہ کیوں لائے ہیں کشتی میں لگا کر سہرا
سات دریا کے فراہم کئے ہونگے موتی
تب بنا ہوگا اس انداز کا گز بھر سہرا
رخ پہ دولھا کے جو گرمی سے پسینا ٹپکا
ہے رگ ابر گہربار سراسر سہرا
یہ بھی اک بے ادبی تھی کہ قبا سے بڑھ جائے
رہ گیا آن کے دامن کے برابر سہرا
جی میں اترائیں نہ موتی کہ ہمیں ہیں اک چیز
چاہیے پھولوں کا بھی ایک مقرر سہرا
جبکہ اپنے میں سماویں نہ خوشی کے مارے
گوندھے پھولوں کا بھلا پھر کوئی کیونکر سہرا
رخ روشن کی دمک گوہر غلطاں کی چمک
کیوں نہ دکھلائے فروغ مہ و اختر سہرا
تار ریشم کا نہیں ہے یہ رگ ابر بہار
لائے گا تاب گرانباری گوہر سہرا
ہم سخن فہم ہیں غالب کے طرفدار نہیں
دیکھیں اس سہرے سے کہدے کوئی بڑھکر سہرا

کیا کم ہے یہ شرف کہ ظفر کا غلام ہوں
مانا کہ جاہ و منصب و ثروت نہیں مجھے
استاد شہ سے ہو مجھے پرخاش کا خیال
یہ تاب یہ مجال یہ طاقت نہیں مجھے
جام جہان نما ہے شہنشاہ کا ضمیر
سوگند اور گواہ کی حاجت نہیں مجھے
مین کون اور ریختہ ہان اس سے مدعا
جز انبساط خاطر حضرت نہین مجھے
سہرا لکھا گیا ز رہ امتثال امر
دیکھا کہ چارہ غیر اطاعت نہین مجھے
مقطع مین آ پڑی ہے سخن گسترانہ بات
مقصود اوس سے قطع محبت نہین مجھے
روئے سخن کسی کی طرف ہو تو روسیاہ
سودا نہین جنون نہین وحشت نہین مجھے
قسمت بری سہی پہ طبیعت بری نہین
ہے شکر کی جگہ کہ شکایت نہین مجھے

صادق ہون اپنے قول مین غالب خدا گواہ
کہتا ہون سچ کہ جھوٹ کی عادت نہین مجھے

سہرا

خوش ہو اے بخت کہ ہے آج ترے سر سہرا
باندھ شہزادہ جوان بخت کے سر سہرا
کیا ہی اس چاند سے مکھڑے پہ بھلا لگتا ہے
ہے ترے حسن دل افروز کا زیور سہرا
سر پہ چڑھنا تجھے پھبتا ہے پر اے طرف کلاہ
مجھکو ڈر ہے کہ نہ چھینے ترا لمبر سہرا

نصرت الملک بہادر مجھے بتلا کہ مجھے
تجھ سے جو اتنی ارادت ہے تو کس بات سے ہے
گرچہ تو وہ ہے کہ ہنگامہ اگر گرم کرے
رونق بزم مہ و مہر تری ذات سے ہے
اور مین وہ ہون کہ گر جی مین کبھی غور کرون
غیر کیا خود مجھے نفرت مری اوقات سے ہے
خستگی کا ہو بھلا جس کے سبب سے سر دست
نسبت اک گونہ مرے دل کو ترے ہات سے ہے

ہاتھ میں تیری رہی توسنِ دولت کی عناں
تو سکندر ہے مرا فخر ہے ملنا تیرا

یہ دعا شام و سحر قابلِ حاجات سے ہے
گو شرف خضر کی بھی مجکو ملاقات سے ہے

اسپہ گزرے نہ گمان ریو وریا کا زنہار
غالب خاک نشین اہل خرابات سے ہے

متفرقات

ہے چار شنبہ آخر ماہِ صفر چلو
جو آکو جام بھر کے پیے اور ہو کے مست

رکھدیں چمن میں بھر کے مئے مشکبو کی ناند
سبزے کو روندتا پھرے پھولوں کو جائے پھاند

غالب یہ کیا بیان ہے بجز مدح بادشاہ
بھاتی نہیں ہے اب مجھے کوئی نوشت خواند

بٹتے ہیں سونے روپے کے چھلے حضور میں
یوں سمجھیو کہ بیچ سے خالی کیے ہوئے

ہے جنکے آگے سیم و زر مہر و ماہ ماند
لاکھوں ہی آفتاب ہیں اور بیشمار چاند

در مدح شاہ

ای شاہ جہانگیر جہان بخش جہاندار
جو عقدۂ دشوار کہ کوشش سے نہ وا ہو

ہے غیب سے ہر دم تجھے صد گونہ بشارت
تو وا کرے اوس عقدہ کو سو بھی باشارت

تمنے مجھکو جو آبرو بخشی / ہوئی میری وہ گرمیِ بازار

کہ ہوا مجھسا ذرّہ ناچیز / روشناسِ ثوابت و سیّار

گرچہ از روئے ننگ بے ہنری / ہون خود اپنی نظر مین اتنا خوار

کہ گر اپنے کو مین کہون خاکی / جانتا ہون کہ آئے خاک کو عار

شاد ہون لیکن اپنے جی مین کہ ہون / بادشہ کا غلام کار گزار

خانہ زاد اور مرید اور مدح / تھا ہمیشہ سے یہ عریضہ نگار

بارے نوکر بھی ہوگیا صد شکر / نسبتین ہوگئین مشخص چار

نہ کہون آپ سے تو کس سے کہون / مدعاے ضروری الاظہار

پیر و مرشد اگرچہ مجھکو نہین / ذوق آرائشِ سر و دستار

کچھ تو جاڑے مین چاہیے آخر / تا نہ دے باد زمہریر آزار

کیون نہ درکار ہو مجھے پوشش / جسم رکھتا ہون ہے اگرچہ نزار

کچھ خریدا نہین ہے اب کی سال / کچھ بنایا نہین ہے اب کی بار

رات کو آگ اور دن کو دھوپ / بھاڑ مین جائین ایسے لیل و نہار

آگ تاپے کہان تلک انسان / دھوپ کھاوے کہان تلک جاندار

دھوپ کی تابش آگ کی گرمی / وقنا ربنا عذاب النار

میری تنخواہ جو مقرر ہے / اس کے ملنے کا ہے عجب ہنجار

رسم ہے مردے کی چھ ماہی ایک / خلق کا ہے اسی چلن پہ مدار

مجھکو دیکھو تو ہون بقید حیات / اور چھ ماہی ہو سال مین دو بار

بسکہ لیتا ہون ہر مہینے قرض / اور رہتی ہے سود کی تکرار

میری تنخواہ مین تہائی کا / ہوگیا ہے شریک ساہوکار

آج مجھسا نہین زمانے مین / شاعر نغز گوے خوش گفتار

رزم کی داستان گر سنیے / ہے زبان میری تیغ جوہر دار

بزم کا التزام گر کیجے / ہے قلم میری ابر گوہر بار

ظلم ہے گر نہ دو سخن کی داد / قہر ہے گر کرو نہ مجھکو پیار

آپ کا بندہ اور پھرون ننگا / آپ کا نوکر اور کھاؤن ادھار

میری تنخواہ کیجے ماہ بماہ / تا نہ ہو مجھکو زندگی دشوار

ختم کرتا ہون اب دعا پہ کلام / شاعری سے نہین مجھے سروکار

تم سلامت رہو ہزار برس / ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار

قطعات

سپہ کلیم ہون لازم ہے میرا نام نہ لے	جہان مین ہو کوئی فتح و ظفر کا طالب ہے
ہوا نہ غلبہ میسر کبھی کسی پہ مجھے	کہ جو شریک ہو میرا شریک غالب ہے

قطعہ ۲

سہل تھا مسہل و لے یہ سخت مشکل آپڑی	مجھ پہ کیا گزریگی اتنے روز حاضر بن ہوے
تین دن مسہل سے پہلے تین دن مسہل کے بعد	تین مسہل تین تبریدین یہ سب کے دن ہوے

قطعہ ۳ تاریخ

خجستہ انجمن طوی میرزا جعفر	کہ جسکے دیکھے سے سب کا ہوا ہے جی محظوظ
ہوئی ہے ایسے ہی فرخندہ سال مین غالب	نکیون ہو مادۂ سال عیسوی محظوظ

۱۸۵۴ء

قطعہ ۴ تاریخ دیگر

ہوئی جب میرزا جعفر کی شادی	ہوا بزم طرب مین رقص ناہید
کہا غالب سے تاریخ اسکی کیا ہے	تو بولا انشراح جشن جمشید

۱۸۵۴ء

قطعہ ۵

گو ایک بادشاہ کے سب خانہ زاد ہین	دربار دار لوگ بہم آشنا نہین

کانون پہ ہاتھ دھرتے ہین کرتے ہوے سلام
اس سے ہے یہ مراد کہ ہم آشنا نہین

رباعیات

بعد از اتمام بزم عید اطفال
ایام جوانی رہے ساغر کش حال
آپہنچے ہین تا سواد اقلیم عدم
اے عمر گذشتہ یک قدم استقبال

ایضاً

شب زلف و رخ عرق فشان کا غم تھا
کیا شرح کرون کہ طرفہ تر عالم تھا
رویا مین ہزار آنکھ سے صبح تلک
ہر قطرۂ اشک دیدۂ پرنم تھا

ایضاً

آتشبازی ہے جیسے شغل اطفال
ہے سوز جگر کا بھی اسی طور کا حال

[illegible]

ایضاً

[illegible]

ایضاً

دل سخت نژند ہو گیا ہے گویا
اوس سے گلہ مند ہو گیا ہے گویا

پر یار کے آگے بول سکتے ہی نہیں
غالب منھ بند ہو گیا ہے گویا

ایضاً

دکھ جی کے پسند ہو گیا ہے غالب
دل رک رک کر بند ہو گیا غالب

واللہ کہ شب کو نیند آتی ہی نہیں
سونا سوگند ہو گیا ہے غالب

ایضاً

مشکل ہے زبس کلام میرا اے دل
سن سن کے اوسے سخنوران کامل

آسان کہنے کی کرتے ہیں فرمائش
گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل

ایضاً

بھیجی ہے جو مجکو شاہ جم جاہ نے دال
ہے لطف و عنایات شہنشاہ پہ دال

یہ شاہ پسند دال بے بحث و جدال
ہے دولت و دین و دانش و داد کی دال

ایضاً

ہیں شہ میں صفات ذوالجلالی باہم
آثار جلالی و جمالی باہم

ایضاً

[illegible]

ان سیم کے بیجون کو کوئی کیا جانے	بھیجے ہین جو ارمغان شہہ والا نے
گن کر دیوینگے ہم دعائین سو بار	فیروزہ کی تسبیح کے ہین یہ دانے

تقریظ

٨٥٢٠٧٦

مشام شمیم آشنایان را صلاو تنها دل انجمن نشینان را مژده که لختے از سامان مجمره گردانی آماده و دامنی از عود هندی دست بهم داده است نه چو بهاے سنگ و چوب خورده بهنجار نا طبیعی شکسته بے اندام تراشیده بلکه به تیر شگافته بکار و ریزه ریزه کرده بسوهان تراشیده ایدون نفس گداختگی شوق بجستجوے آتش پارسی ست نه آتشی که در گلنخنهاے هند افسرده خاموش واز کف خاکستر بمرگ خودش سیه پوش هیچ چه برد می مسلم ست از ناپاکی باستخوان مردهٔ ناهار شکستن و از دیوانگی بر شتهٔ شمع مزار کشته آنجه سر آئینه بدل گداختن خیزد و بزم آفروختن را نشاید سخ آتش بصنع برافروزنده و آتش پرست را بباد افراه هم در آتش سوزنده نیک میداند که پژوهنده در هواے آن رخشنده آذر لعل در آتشی ست که بچشم روشنی هوشنگ از سنگ برون تافته و در ایوان لهراسپ شعله نمایافته خسرا